حیات معصومین(ع) / ۹

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام



حیات معصومینؑ (۹)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام





نام کتاب .... امام موسیٰ کاظمؑ

ترجمہ .... سید محمد ذکی حسن نوری

ایڈیٹ .... سید احتشام عباس زیدی

ناشر .... سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی

(شعبۂ ترجمہ و اشاعت)

سال طبع .... شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

ISBN 964-472-111-x

فہرست

عرض ناشر

الحمدلله الذی یھلک ملوکا و یستخلف آخرین و الصلاة و السلام علی قائد الدعاة المیامین و خاتم الانبیاء و المرسلین المصطفی محمدٌ و علی شھداء الشریعة و خلفاء الرسول الاعظم اھل بیته الطاھرین و علی صحبه المتقین۔

جب سے شیطان نے جناب آدم کو جنت سے نکلوایا اور اس کے بعد زمین پر قابیل نے ہابیل کو قتل کیا ہے تب سے لیکر آج تک رذائل و فضائل اور باطل و حق کے درمیان مستقل جنگ چلی آرہی ہے ظلم و عدل، طغیان و مظلومیت، فساد و اصلاح، شر و خیر، گمراہی و ھدایت ..... ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے ہیں۔ یا ایک جملے میں کہا جا سکتا ہے کہ جاھلیت ہمیشہ اسلام کے مقابلے میں صف آرا رہی ہے۔

جب کبھی باطل نے ظلم کی تلوار اٹھائی ہے، حق کے نمائندوں نے اپنے سینوں کو سپر بنا کر خون کے آخری قطرے تک حق و حقانیت کا دفاع کیا ہے۔

کلمۂ الہٰی کو ہمیشہ کلمۂ باطل پر فتح و کامرانی حاصل ہوئی ہے کیوں کہ حق بلندی کی اور باطل پستی کی علامت ہے۔

بنی عباس نے بنی امیہ سے فسق و فجور کی وراثت پائی تھی۔ نتیجے میں آل محمد علیہم السلام پر بنی امیہ کے ظلم و جور کو بنی عباس نے بھی جاری رکھا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ شہداء کا خون ہمیشہ ظلم کی تلوار پر غالب رہا ہے۔ اور اس نے اسلام و مسلمین کی عزت و شوکت کی پاسبانی کی ہے۔

خاندان نبوت کے ساتویں چشم و چراغ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ظلم و تشدد کی آستینوں میں پوشیدہ تمام بتوں کو اپنے جد امجد علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ہی طرح نکال کر زمانے کے سامنے چکنا چور کر دیا تھا۔ اور دنیا کو ان نام نہاد مسلمانوں کے حقیقی چہروں سے آشنا کرادیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مزاج جور و تشد د نے اس چیز کو پسند نہیں کیا اور غذاء کو زہر آلود کر کے، اس شمع امامت کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

ہمیں اس امام معصوم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے بعض واقعات پیش کرتے ہوئے، فخر محسوس ہو رہا ہے۔ ادارہ بارگاہ رب العرش میں دست بدعا ہے کہ تمام دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ کرنے اور دین مبین اسلام کو جہانی بنانے کے لئے خداوند کریم عالم بشریت کے ناجی امام زمانہؑ کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا"

نبوت و رسالت قوم کو بزرگ شخصیتیں عطا کرتی ہے۔ بے نظیر عقائد بے نظیر افراد عطا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور انسان جس مقدار میں اس رسالت اور عقیدے سے خود کو وابستہ کرتا ہے اسی مقدار میں اس کے اندر قیادت و رہبری کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک عظیم دین کی شکل میں ابدی عقائد کے ساتھ خدا کی جانب سے آنے والے لافانی پیغام کا مرقع ہے۔ یہ مقدس دین انسانی زندگی میں تبدیلی کے لئے، جاہلیت کی بنیادوں کو مٹانے کی خاطر، جہالت و فساد کی جڑیں کاٹنے کے لئے، انسان اقدار کی عظیم تاریخ بنانے اور اس کی

شخصیت کو ہدایت کی بنیاد پر استوار کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور اس کی وحی اخلاق کے بلند مراتب اور عدالت و کمال کے والا مقام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے نازل ہوئی تھی۔

اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ انسانی زندگی کی اصلاح کرے، اس کی راہ و روش کو منظم کرے اور بشری قافلے کی قیادت و رہبری کے اہم فریضے کو انجام دے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی زندگی کو حیات نو اسلام نے عطا کی ہے اور اسکی فلاح و کامرانی ایک پرچم کے تلے رہبریت و قیادت کے ہمراہ منزل کمال کو حاصل کرنا بتایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ صورتحال جس کا مقابلہ عقائد و اصول کر رہے تھے، ایک ایسے انسان کی محتاج تھی جو لوگوں کی قیادت کر سکے، ایک ایسی شخصیت جو بنی نوع آدم کے لئے ہادی بن سکے، ایک ایسی ذات جو فہم، تطبیق، راہنمائی، ھدایت اور علم میں انسانوں کے لئے نمونۂ عملی بن سکے، دوسری جانب خالق کائنات کا ارادہ یہ تھا کہ اس امت کی رہبری و امامت اہل بیتؑ رسالت کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اہل بیت اطہارؑ ہیں کون؟

مفسرین نے آیہ " انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس لھل البیت. ویطھرکم تطھیرا " کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور انکے دونوں صاحبزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں۔

ابوہریرہ نے جناب ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ نے

فرمایا حضرت فاطمہ علیہا السلام ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس ایک طشت کے ساتھ تشریف لائیں جس میں ایک غذا تھی. آپ نے وہ طشت آنحضرتؐ کے سامنے رکھدیا. آپ نے پوچھا: تمھارے چچازاد بھائی اور دونوں صاحبزادے کہاں ہیں؟" حضرت زہراء علیہا السلام نے جواب دیا: "وہ تینوں گھر پر ہیں"۔ آنحضرتؐ نے کہا: ان لوگوں کو بھی بلا لاو" آپؐ حضرت امیرؑ کے پاس تشریف لائیں اور کہا، رسول خداؐ نے آپ کو دونوں بیٹوں کے ہمراہ یاد فرمایا ہے"

ام سلمہ آگے نقل کرتی ہیں کہ جب یہ ذوات مقدسہ آنحضرتؐ کے پاس جمع ہوگئیں تو آپ نے اپنے بستر سے ایک چادر اٹھاکر زمین پر بچھادی جس پر یہ تمام حضراتؑ تشریف فرما ہوئے، پھر آنحضرتؐ نے چادر کے چاروں سرے اتنے بلند کئے کہ ان سب کے سر سے اونچے ہوگئے اور آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے خالق کائنات کی جانب اشارہ کے ارشاد فرمایا:

"اللہم ہولاء اہل البیت فاذہب عنہم الرجس، و طہرہم تطہیرا"
(خداوندا یہ اہل بیت ہیں۔ تو ان سے رجس کو دور فرما اور ان کو اس طرح سے پاک کر جس طرح پاک کرنے کا حق ہے)[۱]

۱۔ تقی الدین احمد بن علی مقریزی وفات ۸۴۵ھ فضل آل البیتؑ ص/۲۵۔ ط/۲ از تفسیر طبری۔ ج/۲۲۔ ص/۷ و صحیح ترمذی۔ ج/۵۔ ص/۳۰۔

ایک حدیث شریف میں پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا، "ہر فرزند کا حسب نسب اس کے باپ سے ہوتا ہے مگر اولاد فاطمہؑ کا حسب نسب مجھ سے ہے"[۱]

اس حدیث کو احمد نے مناقب میں لکھا ہے ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اسلامؐ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میں، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، اور حسینؑ کے نو بیٹے سب کے سب پاک و طاہر اور معصوم ہیں"[۲]

ان احادیث سے بخوبی روشن ہوگیا کہ اھل بیتؑ سے مراد حضرت علیؑ اوران کی ذریت پاک ہے حضرت علیؑ رسول اسلامؐ کے ارشادات اور صحابہ کرام کے بیانات کی روشنی میں تمام اصحاب کے درمیان اعلم، سب سے بہتر قضاوت کرنے والے، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی فرد تھے۔

آپ ہی مسلمانوں کے حقیقی امام تھے۔ آپ نے ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اپنی تمام اولاد اور پورے خاندان کو شہادت سے قبل جمع کیا اور ان سب کو امام حسنؑ کی امامت کی وصیت فرمائی، امام حسنؑ نے بھی یہی انداز اپنی شہادت سے قبل امام حسینؑ کی امامت کے اعلان کے لئے اختیار فرمایا۔ امام حسینؑ نے کربلا میں اپنی شہادت کے دن امام سجادؑ کی امامت کی وصیت فرمائی۔

۱۔ محب الدین طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ۔ ص / ۵۸۔ ط ۱۹۶۷ء، مجمع الزوائد للہیثمی شافعی۔ ج / ۹۔ ص / ۱۷۲ و کنز العمال۔ ج۔ ۶ / ص۔ ۱۵۲۔
۲۔ الطبری۔ حوالہ قبلی۔ کنز العمال۔ ج۔ ۶ / ص / ۱۵۲۔

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کے سلسلے میں اور امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند امام جعفر صادق علیہ السلام کے سلسلے میں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند امام علی رضاؑ کے بارے میں اور امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے فرزند گرامی امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے اور امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام علی نقی علیہ السلام کے متعلق اور امام علی نقی علیہ السلام نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے سلسلے میں اور امام عسکری علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام مہدی علیہ السلام کے متعلق امامت کی وصیت فرمائی۔ یہ امام مہدی علیہ السلام وہی ہیں جن کے سلسلے میں تمام مسلمان نظریاتی اختلاف کے باوجود متفق ہیں اور تصدیق بھی فرماتے ہیں کہ رسول اسلامؐ سے آپ کے سلسلے میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں بس آپس میں شخصیت کا اختلاف ہے۔

تمام مسلمانوں کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ امام مہدی علیہ السلام رسول اللہؐ کی پاک و طاہر ذریت کی ایک فرد ہیں اور یہ کہ آپ ہی عالم بشریت کی نگاہ امید کا مرکز اور آدمیت کی نجات کا ذریعہ ہیں۔ آپ کے سلسلے میں رسول مقبول صل اللہ علیہ والہ وسلم سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ " یہ رات و دن تب تک ختم نہیں ہوسکتے جب تک خداوند کریم میرے اھل بیتؑ میں سے ایک ایسے شخص کو نہ بھیج دے جس کا نام میرا نام ہوگا اور جس کی کنیت میری کنیت ہوگی جوان شب و روز کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور میں

ڈوبے ہوں گے"[۱]

آج بھی بشریت اس منجی عظیم اور مصلح اعظم کے انتظار میں ہے جو اپنے ظہور کے بعد عدل الٰہی کی بنیاد پر حکومت قائم کرے گا اور ظلم و استبداد کے بال و پر نوچ پھینکے گا۔

تاریخ نے ان ائمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت کو اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے جن کے سلسلے میں رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا: میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کے مانند ہے جو اسپر سوار ہوا نجات یافتہ ہوگیا اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ غرق آب ہوگیا" اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہاہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے تاریخ کی کتابوں میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی حیات طیبہ کے عقیدتی، جہادی اور سیاسی پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔
جسکا مطالعہ ہمیں ہر امام کی شخصیت اور اسکی ذمہ داریوں سے آشنا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ان اماموں نے اپنے اپنے دور میں عباء رہبریت کو زیب تن کرتے ہوئے پرچم اسلام کو اپنے بعد آنے والے امام تک امانتداری سے پہنچایا ہے۔ جو شخص حدیث، تاریخ، تفسیر، عقائد،

۱۔ کنز العمال۔ ج/۷۔ ص/۱۸۸، صحیح ابو داؤد۔ ج/۲۷، الکاشانی، علم الیقین، المستدرک علی الصحیحین للحاکم۔ ج/۳۔ ص/۱۵۰ صحیح ترمذی۔ ج/۵۔ ص/۳۰۔

علوم، معارف وغیرہ میں سے کسی کا بغور و مطالعہ کرتا ہے اور بزرگان دین کی سوانح حیات یا صدر اسلام کی بنی امیہ و بنی عباس کے سیاہ ادوار کی سیاسی تاریخ پر نگاہ ڈالتا ہے اسے یہ چیز اچھی طرح محسوس ہوتی ہے کہ بارہ اماموں (حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد) نے پرچم اسلام کی اسی طرح حفاظت فرمائی جس طرح ہدایت کی ایک محکم زنجیر کی ہر کڑی دوسری کڑی سے ملی ہو ہے۔ یہ سب اپنے زمانے کے رہبر تھے۔ یہ ذوات مقدسہ علو و جہاد کا سرچشمہ تھیں۔ یہ ایسے نام نہاد فقیہ نہیں تھے جن کا واسطہ فقط مدرسے اور قبرستان سے ہوتا ہے اور نہ ہی ایسے گوشہ نشین عبادت گذار تھے جو خود کو محراب سے مخصوص کر چکے ہوں۔ بلکہ یہ ہدایت کی قندلیں اور تاریخ کے شاہکار تھے۔ یہ ایسے حافظان شریعت تھے جن کی تلاش نہ صرف قوانین الٰہی کو تھی بلکہ اسلام اور عقائد بھی اپنی حفاظت کے لئے آپ کے متلاشی تھے۔ ان کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ صرف تصور ہی سے ظلم و جور کے محلوں میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی۔ جن کے فہم و ادراک سے عقلیں حیران تھیں۔ جو زھد و تقوی کی اعلی مثال اور عبادتوں کی زینت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی مومنین کے قلوب پر کی جانے والی حکومت پر زمانہ اثر انداز نہ ہوسکا اور نہ ہی نسل جوان کی ان مقدس افراد سے محبت و انسیت میں تبدیلی لا سکا۔ یہ خلفاء الٰہی آفتاب ہدایت اور مہتاب رہنمائی تھے یہ مشعل نور تھے۔ فیض الٰہی کا سرچشمہ تھے۔ اسوۂ انسانیت تھے۔ صراط مستقیم کے ہادی تھے۔ ایسے کلمہ حق تھے جس کی گونج تاریخ کے ہر دور میں

سنائی دیتی ہے. جو طاغوت کیلئے باعث رنج و اضمحلال تھے. جب تک روئے زمین پر ہدایت باقی ہے ان کے آثار باقی رہیں گے. اور جب تک حق رہیگا. وہ اور ان کی نشانیاں بھی زندہ رہیں گی چوں کہ تاریخ اپنے گوہروں کی حفاظت کرتی ہے. بلکہ خدا کا ارادہ بھی یہی ہے کہ حق کو بقاء عطا کرے.

"بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذاهوزاهق" (سورہ انبیاء/ ۱۸)

(بلکہ ہم تو حق کو ناحق) کے (سر پر) کھینچ مارتے ہیں جس سے حق باطل کا سر کچل دیتا ہے پھر اسی وقت نیست و نابود ہو جاتا ہے)

"فاما الزبد فيذهب جفاءً و اما ما ينفع الناس فيمكث في الارض" (سورۂ رعد/ ۱۷)

(جھاگ تو ہو کر غائب ہو جاتا ہے اور جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے وہ (پانی) زمین میں ٹھہرا رہتا ہے) ہمیں ان ذوات کی پاک و بابرکت زندگی میں اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ دنیاوی لذتوں و آسائشوں سے دور رہنے کے باوجود کائنات کے ذرے ذرے پر ان کی حکومت و سلطنت تھی۔ اسی وجہ سے اھل بیت اطہار علیہم السلام کی تاریخ اور سیرت طیبہ کا ان کے علم و جہاد کے عنوان سے مطالعہ ہر مسلمان کے لئے لازم و ضروری ہے۔ یہ وہ نمونہ شخصیت تھیں، جو اسلام کی روح و جسم کی حیثیت رکھتی تھیں. جنھوں نے اس دین الٰہی کو زندگی کا رنگ عطا کیا تھا. یہ حضرات انسانی زندگی کے اہم مراحل _ اخلاق، عبادت، جہاد، سیاست، حکومت، علم و عمل کے لئے اسوہ حسنہ تھے.

ان کو اس بات کی ہمیشہ فکر رہی کہ اصول اسلام و رسالت کی حفاظت خود اپنی آستینوں میں پلنے والے منافقین سے کس طرح سے کی جائے۔ اسی وجہ سے تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بات بالکل روشن طور پر محسوس ہوتی ہے کہ ہر زمانے میں ائمہ اطہارؑ نے دین کی حفاظت کی خاطر مسند خلافت پر بیٹھ جانے والے اسلام دشمن عناصر کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔ اور امت کے جوانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس سلسلۂ امامت و رہبری کی ایک کڑی ہیں جن کی اقتداء و پیروی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ان کی زندگی کا جہادی پہلو خصوصاً ظلم و جور کے مقابلے میں خود کو سینہ سپر قرار دینا، کائنات کے ہر انسان کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی حیات طیبہ جوانوں کے لئے مدرسے کے مانند ہے۔ آپ کی پاک سیرت اسلامی شریعت کے لئے روح روان کا کام کرتی ہے۔ اس امت اسلام کی ایک ایک فرد کے لئے لازم ہے کہ خود کو تعصب سے علاحدہ کرکے اس عظیم امام کی زندگی کا بغور مطالعہ کرے اور آپ کی علمی، عملی و جہادی زندگی کو اپنے لئے نمونہ قرار دے۔

آپ پیغمبرؐ کے اس خاندان کی ایک فرد ہیں جسے خداوند کریم نے بنی آدم میں سے امامت کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور ہر طرح کی رجس و کثافت سے پاک کر کے امت کے لئے اسوہ اور سرچشمہ ہدایت قرار دیا تھا۔ جیسا کہ خود رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "نحن اهل بيت لا يقاس بنا احد" (ہم وہ اہل بیتؑ ہیں

جن کا کسی سے بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا)۔

ان فضائل و مناقب کے باعث اہل بیت علیہم السلام ہر زمانے میں طاغوتی حکومتوں کے مظالم، جلا وطنی، قید و بند اور قتل وغیرہ کا نشانہ قرار پائے۔ کیوں کہ انہوں نے ہمیشہ ظلم و ستم کے مقابلے میں پرچم عدل و انصاف کے زیر سایہ صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ نتیجے میں مظلومین اور مستضعفین کی نگاہ امید آپ سے وابستہ ہوتی چلی گئی۔ یہی نہیں بلکہ غم زدہ قلوب اور زخمی دل کو آپ حضرات کی پناہ میں آکر سکون حاصل ہوتا تھا۔ یہ بھی فطری ہے کہ ان اسباب و علل کی بناء پر حق کی جانب دعوت دینے والوں اور ایمان کے پرچمداروں سے حاکم وقت کی طمطراقیت پر لرزہ پیدا ہوجاتا۔ جس کے نتیجے میں جیسا کہ ماضی کی تاریخ نے بھی اس کے شواہد پیش کیے ہیں ان طاغوتی طاقتوں نے ان آفتاب ہدایت کے نور کو کم کرنا چاہا اور حق و حقانیت کے مقابلے میں تشدد کا بازار گرم کردیا۔ اس امر کی جانب وحی کے ترجمان حضرت ختمی مرتبت نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: "انا اہل بیت ـــ" (ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے لئے خدا نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو منتخب فرمایا ہے۔ بیشک میری آل میرے بعد سختیوں رنج، و مصائب اور جلاوطنی پر مجبور ہوجائے گی۔ یہ سلسلہ جب تک جاری رہیگا جب تک ایک قوم اسطرف سے نہ نکلے۔ (آپ نے انگلی سے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔) جو سیاہ پرچم اٹھائے ہوگی، یہ لوگ حق کا مطالبہ کرینگے مگر انھیں ان کے حقوق عطا نہیں کئے جائینگے۔ پھر یہ سب جہاد کرینگے اور کامیاب ہوں گے۔

انھیں کامیابی کے بعد وہ چیز عطا کی جائیگی جس کو وہ چاہ رہے تھے مگر وہ قبول نہیں کریں گے بلکہ اسے میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص کے حوالے کردیں گے۔ پھر وہ شخص اس کو عدل سے اسی طرح پر کردے گا جطرح وہ ظلم سے چھلک رہی ہوگی۔

جو بھی اس زمانے میں ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کے قریب آئے اگرچہ، اسے اس کے لئے برف پر گھٹنے کے بل ہی کیوں نہ چلنا پڑے۔ بیشک تمام مسلمانوں نے اس ایک عظیم شخصیت کو قبول کیا ہے جو خاندان پیامبرؐ میں سے ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھردے گا جس طرح وہ ظلم و جور کی آماجگاہ بنی ہوگی۔ وہ امام مہدی علیہم السلام ہیں جو کائنات کے نجات دھندہ، رہبر برحق، وارث پیغمبرؐ، احکام اسلامی کے رائج کرنے والے حکومت عدل کے ذریعہ اہداف انبیاء کو پایہ کمال تک پہنچانے والے اور پرچم وحدانیت کو ساری دنیامیں بلند کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات روشن ہوگئی کہ یہ بزرگان اہل بیت علیہم السلام ہیں اور امام موسی بن جعفر علیہما السلام اس شجرۂ نبوت کی ایک تابناک شاخ ہیں اور اپنے زمانے کے امام برحق ہیں تو ہمارے لئے آنحضرت کی بابرکت حیات سے درس حاصل کرنا لازم ہوگیا۔ ہم یہاں پر آنحضرت کی عظیم وبے نظیر شخصیت کے بعض پہلو پیش کریں گے تاکہ آل محمد علیہم السلام کی تاریخ میں اہمیت اور ظالم حاکم کی دولت دہشت گردی کے مقابلے میں ان نوری ذوات کے جہاد کی عظمت کا خاکہ ہمارے

ذہنوں پر آجائے۔

ہم تاریخ کا جدید طریقے سے مطالعہ کریں گے۔ اور حکمت و حقیقت کو چھپانے والی گمراہ کن کتابوں کی نئے سرے سے ورق گردانی کریں گے۔ جس سے ہم واقعات اسلام کا پر تنقیدی تبصرہ کر سکیں۔ اور بن امیہ و بنی عباس کے زر خرید قلموں کی دیانت و خیانت کو ایک دوسرے سے جدا کر کے آشکار کر سکیں۔ تاکہ اسلام جوانوں کے لئے مدرسہ عمل قرار پائے اور بنی نوع انسان اس کی ہدایتوں کی روشنی سے خود کو منور کر سکے، جس کے باعث اسلام ان بشری تجربوں کا محافظ قرار پائے جو وقتاً فوقتاً انسانوں کے در پیش ہوتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ادوار کو عمیق نظر سے دیکھ سکیں اور معاشرتی قوانین کی صحیح توضیح کر سکیں اور حاصل شدہ نتائج کو امت اسلامی کے جوانوں کے سامنے پیش کر کے ان کے لئے صاف و شفاف راستے ہموار کریں۔

حضرت امام کاظم علیہ السلام

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ارجمند تھے جو امام محمد باقر علیہ السلام بن امام علی بن حسین علیہما السلام کے صاحبزادے تھے۔ امام حسین علیہ السلام حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے لعل تھے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک ایسے خاندان میں آنکھیں کھولیں جو شرافت و عظمت میں اپنی مثال آپ تھا والد ماجد (امام جعفر صادق علیہ السلام) مسلمانوں کے

درمیان معروف تھے کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ آپ اپنے زمانے میں مسلمانوں کے امام، علماء و فقہاء کے استاد اور طلاب کے سید و سردار تھے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے علم و کمال کے بھی وارث تھے۔ آپ مذہب جعفری یعنی شیعوں کے ساتویں امام تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ امام صادق علیہ السلام کی کنیز تھیں جن کا اسم گرامی حمیدہ تھا۔ جو اندلس کی تھیں۔ بعض راویان نے آپ کو بربر اور بعض نے روم کا بھی لکھا ہے مگر اندلس زیادہ معروف ہے۔ آپ کی کنیت لؤلؤہ تھی۔ آپ کو امام محمد باقر علیہ السلام نے خرید کر اپنے فرزند ارجمند امام جعفر صادقؑ کو ہدیہ کیا تھا۔ جن سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کی تہذیب کے سلسلے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ جس کے باعث آپ عالمہ اور فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مربی بھی تھیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کو خواتین کے احکام و عقائد و مفاہیم دین کی تعلیم اور اخلاق و آداب اسلامی کی تربیت کے لئے معین فرمایا تھا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت بنی امیہ کے ظالم حکمران عبدالملک بن مروان کے دور میں ابواء نامی مقام پر ہوئی تھی۔ جہاں رسول اسلامؐ کی والدہ گرامی جناب آمنہ بنت وھب کا انتقال ہوا تھا اور دفن ہوئی تھیں۔ یہ مقام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔

امام علیہ السلام کی ولادت با سعادت ۷ صفر ۱۲۸ھ کو بروز یکشنبہ ہوئی تھی، جس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ولادت کی خبر ملی تو آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ غذاء تناول فرمارہے تھے۔ آپ نے طعام ترک فرمایا، اور مسرت کے باعث اس نو مولود کے دیدار کی خاطر جلدی سے آمادۂ سفر ہوگئے۔ دل میں محبت اور پدری شفقت کا ایک دریا موجزن تھا۔ آپ ابواء میں زیادہ نہیں رکے بلکہ یثرب (مدینہ واپس آگئے اور عرب کے دستور کے مطابق اس نو مولود کے استقبال میں ولیمہ کیا اور عوام الناس کو مدعو کیا۔ آپ کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے تین دن تک مہمانوں کو کھانا کھلایا۔ لوگ آتے تھے اور امام علیہ السلام کو ان کے پسر کی مبارکباد پیش کرتے تھے۔

امام علیہ السلام بھی اپنی محبت کا اظہار ان لفظوں میں کر رہے تھے "وددت ان لیس لی ولد غیرہ لئلا یشرکہ فی حبی احد" میں چاہتاہوں کہ اس بیٹے کے علاوہ میرے کوئی دوسری اولاد نہ ہو تاکہ اس کی محبت میں کوئی شریک نہ ہو[1]۔

یہ سب اس وجہ سے تھا کہ امام علیہ السلام اس نووارد فرزند کی عظمت سے بخوبی واقف تھے بیشک یہ اس امت کا امام و قائد ہونے والا تھا۔

امام کاظم علیہ السلام اپنے والد ماجد کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کے علم کے وارث اور ان کے اخلاق و کردار کے آئینہ تھے۔ آنحضرت کی

۱۔ حیاۃ الامام موسی بن جعفر۔ باقر شریف قرشی۔ ج/۱۔ ص/۴۷۔

صفات و خصوصیات آپ میں پوری طرح جلوہ گر تھیں۔ امام ششم علیہ السلام کا ثبات، ان کی شجاعت، ظالمین کے مقابلے میں گزرنے والی آپ کی زندگی تربیت اور نشو و نما کی زندگی تھی آنحضرت کی شہادت کے بعد آپ کی زندگی کا ہدف اہل بیت علیہم السلام کی اس عظیم و پر نور راہ کو جاری رکھنا تھا جو علم و جہاد و قیادت و امامت کی راہ تھی.

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند کے سلسلے میں اس بزرگ و مقدس ذمہ داری کا تذکرہ ان لفظوں میں فرمایا ہے.

"الحمدلله الذی جعلک خلفا من الآباء و سرورا من الابناء و عوضا عن الاصدقاء"

(اس خدا کا شکر جس نے تمھیں اپنے آباء و اجداد کا خلیفہ، آئندہ نسل کے لئے باعث فخر اور دوستوں کے لئے بہترین جزاء قرار دیا ہے)[1]

آپ کے اخلاق کی پاکیزگی، صفات کی بلندی اور کمال ذاتی کی بناء پر آپ کو عبد صالح کا لقب ملا تھا اور کثرت عبادت اور تہجد کے باعث زین المجتھدین اور مصیبتوں میں صبر و تحمل کی وجہ سے کاظم کہا گیا۔ آپ سختیوں اور غصے کے موقع پر صابر تھے مجسمۂ اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ آپ برائیوں کا مقابلہ احسان سے فرماتے تھے۔

۱۔ بحار الانوار، ج/ ۴۸، ص/ ۲۴۷۔

آپ خداوند کریم کے نزدیک باشرف اور بلند مقام ہوئے اور لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے کی وجہ سے "باب الحوائج" کا لقب پایا۔

اسی طرح آپ کو ابو الحسن اول، اور ابو ابراہیم کی کنیت عطا کی گئی ہے. جسمانی اعتبار سے منقول ہے کہ آپ گندمی رنگ و جیہہ صورت و نحیف بدن کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ ۲۰ سال یا ۱۹ سال زندگی گزاری ہے اور آنحضرت کی شہادت کے بعد آپ ۳۵ سال با حیات رہے. آپ نے امت کی امامت و رہبری جیسی عظیم ذمہ داری کو ۲۰ سال کے مختصر سے سن میں سنبھالا تھا. آپ نے اپنے بعد کثیر تعداد میں اولاد چھوڑی آپ کے ۱۷ پسر اور ۱۹ دختر تھیں۔ جن کے نام ترتیب سے اس طرح ہیں، امام علی رضاؑ، ابراہیم ،عباس، قاسم، اسماعیل، ہارون، حسن، احمد، محمد حمزہ، عبداللہ، اسحاق عبیداللہ، زید، حسن، فضل، سلیمان، فاطمہ کبری. فاطمہ صغری، رقیہ، حکیمہ، ام ابیہا، رقیہ صغری، کلثم، ام جعفر، لبابہ، زینب، خدیجہ، علیہ، آمنہ، حسنہ، بریہہ، عائشہ، ام سلمہ میمونہ، ام کلثوم (۱).

آپ کی امامت کی مدت اہل بیت اطہارؑ اور امت اسلامیہ کے کمزور افراد پر ہونے والے ظلم و تشدد کے انتہائی سخت دور کی تاریخ ہے.

امام علیہ السلام نے ان سختیوں کو بڑے ہی صبر و تحمل سے برداشت کیا جس، کے نتیجے میں آپ کاظم کہلائے. ہم نے اس کتاب میں اس عظیم شخصیت کی

۱۔ الامام موسیٰ الکاظم۔ علی محمد دخیل / ص۔ ۱۰۔

زندگی کے متعلق کچھ مختصر باتیں زیب قرطاس کی ہیں جس میں ہم نے اس انسان کامل کی عظمت ان کے مصائب و آلام اور ان کے سلسلہ میں امت کی لاپرواہی کا مختصر تذکرہ کیا ہے.

❑ عابد شب زندہ دار

خداوند کریم کی معرفت حاصل نہ کرنا اور خواب و خیال میں گردش کرنا یعنی ایسے اسباب جو انسان کے اندر یکسوئی و یک جہتی، نفس کی بالیدگی، اور خالق کائنات سے رابطے جیسے مقدس اہداف کو مخدوش کردیتے ہیں. اسکا روشن اور واضح سبب عبادت خداوند میں لاپرواہی، وظائف کی ادائیگی میں کوتاہی، عبد و معبود کے درمیان تعلقات میں کمی، اقدار انسانی سے بے توجہی، و ہوس پرستی وغیرہ ہیں جو انسان کو اسلام دشمن عناصر کے مقابلے میں قیام کرنے سے روکتے ہیں.

اس کے برعکس وہ افراد جو خداوند عالم کے عرفان کو اپنی زندگی کا ایک نصب العین قرار دیتے ہیں ان کے اندر نیکیوں اور کمال کے حصول کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، اس کے باعث انھیں یکسوئی اور توکل خدا جیسی عظیم نعمتیں بھی حاصل ہوجاتی ہیں. یہی لوگ وحدانیت خدا اور کمال عبودیت جیسی دولت سے سرشار ہوتے ہیں. نتیجے میں یہ افراد دنیا کی ظاہری لذات پر ابدی نعمتوں کو ترجیح دیتے ہیں.

اہل بیت علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے بلند و بالا اور ممتاز ہونے کا حقیقی

راز یہی معرفت خدا اور اس کی ذات پر بھروسہ ہے جو ہر خیر و کمال کا سرچشمہ ہے. یہی وہ اسباب ہیں جو ان ذوات مقدسہ کی زندگیوں کو بنی نوع آدم کے لئے نمونہ عمل بناتے ہیں. اس لئے ہمیں اس وقت تعجب نہیں کرنا چاہئے جب ہم یہ دیکھیں کہ یہ حضرات دنیا کی وقتی و ظاہری آسایشوں کے مقابلے میں زھد و تقوی کو زاد و توشہ قرار دیتے تھے یا دنیا و اہل دنیا کے مقابلے میں حق کو اختیار کرتے تھے۔ ہمیں تب بھی تعجب نہیں ہونا چاہیئے جب ان بزرگان عالم کے اخلاص و عبودیت کا مشاہدہ کریں. اسی طرح یہ بات بھی قابل تعجب نہیں یہ ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا لقب زین المجتہدین و عبد صالح تھا۔ اور یہ کہ آپ رات کو عبادت شروع کرکے صبح سے ملا دیتے تھے. اور آپ قید خانے کے تنگ و تاریک گوشہ میں بھی عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے.

آپ نے اپنی جان اور اپنا مال قرب الٰہی اور اس کی رضایت کے لئے قربان کردیا تھا آپ نے اپنی ذات کو انسانیت کی ہدایت و نجات کے لئے وقف کردیا تھا۔

تاریخ کا دامن ان واقعات سے پر ہے کہ آنحضرت کو خداوند کریم سے کس قدر انسیت تھی۔ اور آپ نے کس طرح پوری زندگی زھد و تقوی میں گزار دی۔ سب سے زیادہ اہم وہ واقعات ہیں جو ہمیں بناتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنے آباد و اجداد کے مانند قرآن مجید کا عملی پیکر تھے جو کہ وحی الٰہی ہے اور سرچشمہ نور وہدایت ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت امام کاظم علیہ السلام نے قرآن مجید کی تلاوت، اسکو حفظ کرنا، اسکی ترتیل اس کے احکام پر عمل کرنا اور اسکی ہدایات سے تمسک وغیرہ کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل قرار دیا تھا۔ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے تو اس کے اثرات کو بھی آپ کے جسم اطہر پر ملاحظہ کیا جا سکتا تھا۔ آپ کی قرآن سے اس محبت کے سلسلے میں یہ جملہ ملتا ہے کہ:[۱]

آپ قرآن مجید کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ اور سب سے اچھی آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ جب آپ قران کی تلاوت فرماتے تھے تو آپ بھی گریہ فرماتے تھے اور سامعین کی آنکھوں سے بھی اشک جاری ہوجاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں لوگ آپ کو زین المجتہدین (مجتہدین کی زینت) کے نام سے یاد کرتے تھے۔

خداوند کریم سے محبت اور اس کی رضایت کی طلب وغیرہ میں شہرت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے متعدد دفعہ خانہ کعبہ کا پاپیادہ حج کیا ہے۔

روایتوں میں ہے کہ آپ نے اپنے بھائی جناب علی بن جعفر علیہ السلام کے ہمراہ چار دفعہ پیدل حج کیا تھا جس میں پہلے سال ۲۶ دن میں حج مکمل ہوا تھا۔ اور دوسرے سال ۲۵ دنوں میں، تیسرے سال ۲۴ دنوں میں اور چوتھے سال فقط ۲۱ دن میں آپ نے حج مکمل کر لیا تھا۔

آپ کی نمازوں کا خلوص اور خالق عظیم کی بارگاہ میں تضرع بھی سوائے ہادیان خدا کے کسی اور کے ہاں نہیں ملتا ہے۔ بیان ہوا ہے کہ "جب آپ ◄

۱۔ الطبرسی (چھٹی صدی کا مصنف) اعلام الوری باعلام الہدی / ص / ۳۰۰۔ ط / ۳۔

خداوند کریم کی بارگاہ میں نماز پڑھتے تھے تو آپ کی آنکھوں سے مسلسل اشک جاری رہتے تھے۔

کثرت استغفار و شکر کا یہ حال تھا کہ ابراہیم بن بلاد نے نقل کیا ہے:

"قال لی ابوالحسن علیہ السلام انی استغفر اللّٰہ کل یوم خمسة الاف مرة" (امام علیہ السلام نے فرمایا میں ایک دن میں پانچ ہزار دفعہ استغفار کرتا ہوں۔

ہشام بن احمر نے نقل کیا ہے کہ میں ایک دفعہ امام موسی بن جعفر علیہ السلام کے ہمراہ مدینے جارہا تھا کہ اچانک آپ سواری سے نیچے تشریف لائے اور بے اختیار سجدے میں گر پڑے آپ نے ایک طولانی سجدہ انجام دیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور سواری پر بیٹھے۔ میں نے عرض کیا، ہم سب آپ پر نثار ہوجائیں آپ نے سجدے کو بہت طول دیا، امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"انی ذکرت نعمة النعم اللّٰہ بہا علی فاحبت ان اشکر ربی"
مجھے اپنے رب کی عطا کردہ ایک نعمت یاد آگئی تھی لہذا میں نے پسند کیا کہ میں فوراً اس کا شکر بجالاؤں[1]۔

امام ہفتم ایک عظیم عبادت گذار، مقدس اور موحد شخص تھے۔ آپ کا قلب شوق الٰہی کی دولت سے مالامال تھا اور یہ محبت آپکے پورے وجود پر حاوی تھی۔ سب سے زیادہ جو چیز آپ کو اپنی زندگی میں پسند تھی وہ ذکر و عبادت الٰہی تھی۔

۱۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار۔ ص/۱۴۹۔ ج۔ ۱۱/ ح/۳۸۔

ہمیشہ یہ آرزو رہتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں بسر ہو روایت میں ہے کہ اس جاسوس کے جو امام علیہ السلام پر زندان میں نظر رکھنے کے لئے معین نے کیاگیا تھا، شہر کے والی عیسیٰ بن جعفر نے کہا کہ میں نے آپ کو اپنی دعاء میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے، "بار الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے تجھ سے تیری عبادت کی خاطر فرصت کا مطالبہ کیا تھا اور تو نے ایسی فرصت عطا بھی فرمائی۔ لہذا تیرا شکر بجالاتا ہوں"[۱]۔

یہی سبب تھا کہ قید خانہ امام علیہ السلام کے لئے بوجھ یا سختی کا باعث نہیں تھا۔ اور نہ ہی امام علیہ السلام کبھی جابر حکمرانوں کے تسلط سے خوفزدہ رہتے تھے۔ آپ کی بابرکت ذات دنیاو مافیہا کی پستیوں سے بخوبی واقف تھی جس کا نتیجہ تھا کہ نہ تو آپ کو زندان کی سختیاں لرزہ بر اندام کر سکیں اور نہ ہی خونخوار حاکموں کا رعب و دبدبہ آپ کو مرعوب کر سکا۔

آپ کا فقط ایک ہی ہدف و مقصد تھا وہ یہ کہ ہمیشہ خداوند کریم کی جانب توجہ رہے اور ظالموں کے مقابلے میں احتجاج اور حق کا دفاع کیا جاتا رہے۔ آپ نے زندگی کی تمام لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور خود کو خداوند کریم کی عبادت سے مخصوص کردیا تھا۔ آپنے اپنی حیات طیبہ کو عقائد کی نشرو اشاعت اور اسکی جانب سے دفاع کرنے کیلئے وقف کردیا تھا۔ یہ تھی اس عظیم امام کی زندگی جو راہ ہدایت کا نمونہ، راہ جہاد کا شاہکار اور راہ حق و حقانیت کا پرچمدار تھا۔

۱۔ بحار۔ ج / ۴۸۔ ص / ۱۰۷۔

ایسی عظیم شخصیت ظلم و جود سے کیسے خوفزدہ ہو سکتی ہے جب کہ وہ قید خانے کو نعمت اور تاریکی زندان کو تقرب خدا و اخلاص کے لئے مسجد و محراب شمار کر رہی ہو. وہ کیسے قید و بند سے گھبرا سکتا ہے جو طلوع آفتاب کے ساتھ سجدہ شروع کرے اور غروب آفتاب کے ساتھ سجدہ ختم کرے.

تاریخ میں ہے کہ کبھی کبھی ہارون رشید قید خانے میں آتا تھا ایک دفعہ اس نے امام علیہ السلام کو حالت سجدہ میں دیکھ کر ربیع سے کہا: وہ لباس کس کا ہے جو اس مقام پر ہمیشہ رکھا رہتا ہے"۔ اس کو بتایا گیا کہ وہ لباس نہیں بلکہ موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) ہیں جو ہمیشہ طلوع آفتاب سے غروب تک حالت سجدہ میں رہتے ہیں۔ (۱)

عوام الناس کے درمیان آپ کی عبادت اور گوشہ نشینی مشہور تھی۔ اس سلسلے میں محدثین اور مورخین نے امام علیہ السلام کی عبادت تہجد کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے: لوگوں کے درمیان مشہور تھا کہ ابوالحسن موسیٰ اولاد امام جعفر صادق علیہ السلام میں سب سے زیادہ دیندار، فصیح زبان، عبادت گذار، اعلم، و سب سے بڑے فقیہ تھے۔ روایت کی گئی ہے کہ آپ نافلہ شب کو نماز صبح سے ملا دیا کرتے تھے اور پھر نماز صبح کے بعد بھی سورج نکلنے تک نافلہ پڑھتے تھے پھر آپ اپنا سر سجدے میں رکھ دیتے تھے جو سورج غروب ہونے سے قبل بلند نہیں ہوتا تھا۔ آپ سجدے میں یہ پڑھا کرتے تھے.

۱۔ بحار، جلد / ۴۸۔ ص / ۱۴۳۔

"قبح الذنب من عبدک، فلیحسن العفو والتجاوز من عندک"
(خداوندا! تیرے بندے سے گناہ برا شمار کیا جاتا ہے، پس تیری جانب سے عفوو بخشش ہی خوب ہے"[۱]

صاحب بحار الانوار نے شیخ مفید کی کتاب الارشاد سے یوں نقل کیا ہے: آپ خوف خدا میں اتنا گریہ فرماتے تھے کہ ریش مبارک تر ہوجایا کرتی تھی۔ اپنے خاندان والوں کے ساتھ صلہ رحم کرنے میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ شب کی تاریکی میں آپ مدینے کے فقراء کی تلاش میں نکلتے تھے جب کہ آپ کے ہمراہ ایک ٹوکری میں درھم و دینار اور آٹا اور پھل وغیرہ ہوتے تھے۔

آپ ان تک یہ ساری چیزیں پہنچاتے تھے جب کہ ان کو یہ بھی نہیں معلوم ہوپاتا تھا کہ یہ سب کہاں سے آیا ہے[۲]۔

آپ کے فضائل و مناقب کا اقرار آپ کے شدید ترین دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ فضل بن ربیع نے نقل کیا ہے کہ ہارون رشید بھی آپ کی فضیلتوں کا قائل تھا. وہ کہتا تھا یہ اولاد ہاشم میں سے ایک دنیا سے کنارہ کش شخص ہے. میں نے کہا: اسے قید کی سختیوں میں کیوں رکھا ہے اس نے کہا، افسوس! ایسا کرنا ضروری ہے[۳]۔

۱۔ بحار۔ جلد/۴۸۔ ص/۱۰۷۔
۲۔ بحار۔ جلد/۴۸۔ ص/۱۰۷۔
۳۔ بحار۔ ج/۴۸۔ ص/۲۰۵۔

حفص سے یہ روایت نقل ہوئی ہے میں نے موسیٰ بن جعفر (علیہما السلام) سے زیادہ خدا کا نہ تو خوف رکھنے والا شخص آج تک دیکھا اور نہ ہی آپ سے زیادہ کسی کو خدا سے امید رکھنے والا دیکھا۔ آپ کی قرآن کی تلاوت گریہ و زاری کے ساتھ اس طرح ہوتی تھی جیسے گویا آپ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے ہوں یہ وہ نقوش تھے جو اس عبد صالح امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی ملکوتی عبادت اور آپ کے اخلاص و خوف خدا کا ایک نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جو ہمارے لئے نمونہ عمل و بہترین مثال کا کام کرتے ہیں یہی آپ کی شخصیت کی عظمت کا راز ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جو امامت و رہبری کا سبب بنتی ہیں اور خدا و بندے کے درمیان حائل ہونے والے ہر طرح کے حجاب کو دور کر کے بندے کو خداوند کریم سے ملا دیتی ہیں۔

❑ عفو و آزادی کا پیکر

" الذین ینفقون فی السراء و الضراء والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس واللّٰہ یحب المحسنین " (آل عمران / ۱۳۴)۔

(جو خوشحالی اور سخت وقت میں (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگزر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے خدا محبت کرتا ہے) شیعوں کے اماموں کی سیرت اور ان کی پاک اور طاہر حیات نے اسلام کو جسم و روح عطا کی ہے۔ خدا کے اس مقدس دین کا ہدف یہ تھا کہ

انسانوں کو حریت و آزادی سے ہمکنا کرے. اس کی خاطر اس نے شریعت کے معتبر قوانین پیش کئے۔ اس امر کو عملی جامہ اہلبیت اطہارؑ نے پھنایا امام چہارم حضرت سجاد علیہ السلام بندوں کو خرید کر آزاد کرنے کیلئے مشہور تھے۔ام الائمۃ حضرت زہراء علیہا السلام نے اپنا گلوبند فقط اس لئے بیچا تھا کہ اسکی قیمت سے غلاموں کو خرید کر آزاد فرمائیں. امام کاظم علیہ السلام نے بھی کثیر تعداد میں غلام خرید کر آزاد فرمائے تھے. ان واقعات کو تاریخ نے اپنے دامن میں بنی نوع آدم کے درمیان مثال قائم کرنے کے لئے محفوظ رکھا ہے.

ایک سیاہ پوست غلام نے جسے بندگی نے زندگی سے عاجز کردیا تھا یہ محسوس کیا کہ اس تلخ زندگی سے فقط امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اسے آزاد کرا سکتے ہیں وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا مگر شرم و حیا زبان کھولنے میں مانع ہوئی اس نے فقط امام علیہ السلام سے اپنی حالت بیان کی اور ایک ادنی سا ہدیہ امام علیہ السلام کی کی خدمت میں پیش کیا اس کے بعد وہ واقعہ رونما ہوا جسے تاریخ کو سونے کی روشنائی سے اپنے اوراق پر لکھنا چاہیئے. تاریخ لکھتی ہے.

امام علیہ السلام مدینہ منورہ سے بعض اصحاب و اولاد کے ہمراہ اپنی زمین جو سایہ (حجاز کی ایک سرسبز زمین) میں تھی. کی جانب روانہ ہوئے گرمی کا زمانہ تھا وہاں پہنچنے سے قبل آپ نے قریب کے ایک علاقے میں آرام کے لئے قیام کیا آپ تشریف فرما تھے کہ دفعتہ وہ غلام سیاہ پوست جو فصیح زبان تھا وارد ہوا اس کے ہمراہ کبھی کوئی سامان تھا. وہ امام علیہ السلام کے غلاموں کے سامنے آیا اور پوچھا،

تمہارا آقا کہاں ہے ؟ ان سب نے امام علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہاں تشریف فرماہیں. اس نے پوچھا، آپ کی کنیت کیا ہے. کہا، ابوالحسن وہ امام علیہ السلام کے سامنے پہنچا اور روکر کہا، میرے آقا یہ ایک مخصوص غذا ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہاہوں ۔ امام علیہ السلام نے اس کے ہدیہ کو قبول فرمایا اور حکم دیا کہ غلاموں کے پاس اسکو رکھ دے۔ اس نے وہ غذا وہاں رکھی اور پھر امام علیہ السلام کے سامنے آکر کہا میرے آقا ! یہ کچھ لکڑیاں ہیں جو میری جانب سے نذرانہ ہیں۔ امام علیہ السلام نے اسے بھی قبول فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے لئے آگ روشن کی جائے . پھر جب آگ روشن ہوئی تو وہ اس کی روشنی میں جاکر بیٹھ گئیے .. پھر امام علیہ السلام نے اس کا اور اس کے مالک کا نام لکھنے کا حکم دیا. جب نام لکھ لیا گیا تو امام علیہ السلام نے اپنے ایک فرزند کو اس رقعہ کو حفاظت سے رکھنے کا حکم دیا کہ وقت ضرورت کام آئیگا.

اس کے بعد امام علیہ السلام اپنی زمین کی جانب روانہ ہوئے. وہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد آپ خانہ کعبہ کی جانب روانہ ہوئے. آپ نے وہاں عمرہ انجام دیا اور پھر حکم فرمایا کہ اس غلام کے آقا کو تلاش کیا جائے. ساتھ میں ارشاد فرمایا،

"اگر اس کا آقا مل جائے تو مجھے آکر اطلاع دینا تاکہ میں اس کے پاس جاؤں. مجھے پسند نہیں ہے کہ میں اس کو یہاں بلوالوں جب کہ مجھے اس سے کام ہے" تھوڑی ہی تلاش سے اس کا مالک مل گیا. امام کا غلام سمجھ گیا کہ یہ وہی شخص ہے

جس کی تلاش امام علیہ السلام کو ہے۔وہ شخص امامت کو قبول کرنے والوں میں سے تھا۔

سلام و جواب کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا امام علیہ السلام بھی مکہ تشریف لائے ہیں غلام نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ امامؑ مکہ کب تشریف لانے والے ہیں؟ غلام نے کہا کہ ایک امر ضروری کے تحت آپ مکے تشریف لا رہے ہیں اس جواب سے وہ شخص مطمئن نہیں ہوا بلکہ امام علیہ السلام کے مکہ میں قیام پذیر ہونے کے بارے میں شک کرنے لگا پھر غلام اس سے رخصت ہو کر امام علیہ السلام کی جانب واپس ہوا مگر وہ شخص اس غلام کے نقش قدم ڈھنڈتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔ کچھ دیر بعد اس غلام نے اسے دیکھ لیا لیکن جتنا وہ اس سے چھپ کر چھتا وہ شخص اس کے پیچھے چلا آتا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں ساتھ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے اس غلام سے پوچھا کہ اس کو میرے مکہ آنے کے بارے میں کیسے اطلاع ملی۔ اس نے کہا کہ میں نے نہیں بتایا تھا بلکہ وہ خود میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ امام کاظم علیہ السلام اس شخص کی جانب متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اپنے اس غلام کو بیچو گے اس نے جواب دیا،

ہماری جانیں آپ پر قربان۔ غلام اور میری تمام زمین جائداد بلکہ میرا سب کچھ آپ کا ہے۔ امام علیہ السلام نے کہا۔ زمین وغیرہ کو میں تم سے نہیں لینا چاہتا۔ یہ سن کر وہ شخص رونے لگا اور امامؑ سے زمین بھی لینے کا اصرار کرنے لگا۔ لیکن امامؑ

انکار کرتے رہے۔ آخر میں امام علیہ السلام نے اس کا غلام اور زمین ایک ہزار دینار میں خرید لیے اور غلام کو آزاد کر کے زمین اسے دیدی۔ یہ تمام چیزیں اس احسان کا بدلہ تھا جو اس نے تحفہ دیکر کیا تھا۔ اسی کا نام احسان کے مقابلے میں احسان کرنا ہے۔ خداوند کریم نے امام علیہ السلام کے اس احسان میں اتنی برکت عطا کی کہ وہ غلام اور اس کی اولاد مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف کے رئیسوں میں شمار ہونے لگے[1]۔

اس کے علاوہ تاریخ کے متعدد واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ امام ہفتمؑ نے بے شمار غلاموں کو ان کے خاندان کے ہمراہ خرید کر آزادی کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ علامہ مجلسی نے اپنی مشہور کتاب بحار الانوار میں کافی سے نقل کیا ہے کہ، محمد بن یحیی نے محمد بن احمد سے اور انہوں نے علی بن ریان سے اور انھوں نے احمد بن ابی خلف جو امام ہفتمؑ کے غلام تھے۔ سے نقل کیا ہے کہ اسے اور اس کے ماں باپ اور بھائی کو امام نے خرید کر آزاد کیا تھا[2]۔

قارئین محترم کو اس واقعے اور اس سے قبل والے واقعہ سے امام کاظمؑ کی انسانیت سے محبت اور مستضعفین سے ہمدردی کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو انسانی حریت اور خوشحال آدمیت کا کتنا خیال تھا۔ یہی چیز اہل بیت اطہارؑ کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۳ ص ۲۹۔۳۰۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۱۰ ص/ ۱۸۳۔ باقر شریف قرشی سے منقول روایت

۲۔ بحار الانوار۔ جلد/ ۴۸۔ ص/ ۱۱۔

نیکی اور سخاوت، امام کاظم علیہ السلام کی سخاوت آپ کا ظاہراً اور چھپاکر صدقہ دینا، لوگوں کی حاجت روائی کرنا، بندوں کا آزاد کرنا، قرضداروں کے قرضے ادا کرنا، صلہ رحم کرنا...وغیرہ بہت مشہور ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ارشاد میں امام کے صفات کو یوں بیان کیا ہے: "امام ابوالحسن موسی علیہ السلام اپنے زمانے کے سب سے بڑے عابد، فقیہ، سخی کریم النفس شخص تھے، وہ آگے لکھتے ہیں " آپ اپنے اہل و عیال اور عوام الناس سے بہت رحم کرتے تھے. تاریکی شب میں آپ فقراء مدینہ کو ڈھونڈھ کر اپنے ساتھ لائی ہوئی ٹوکری میں سے پھل سبزیاں. آٹا اور کھجوریں وغیرہ دیا کرتے تھے. لیکن ان میں سے کسی کو یہ نہیں معلوم ہوا پاتا تھا کہ یہ احسان کرنے والا کون ہے."(۱).

مورخین نے لکھا ہے امام علیہ السلام کی عادت تھی کہ اگر کوئی آپ کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آتا تھا تو اس کو سکوں کی تھیلی ہدیہ کرتے تھے جس میں دو سو سے لیکر ۳۰۰ تک دینار ہوتے تھے. آپ بدی کا بدلہ احسان سے دیا کرتے تھے.

آپ کے حسن خلق و طہارت نفس سے لوگ حسد کرتے تھے. آپ محتاج و مسکین و قرضداروں کو اسی طرح کی تھیلیاں بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان آپ کے کرم کی مثال قائم ہوگئی تھی (۲).

محمد بن عبداللہ بکری نے امام کاظمؑ کے احسان کا یہ واقعہ نقل کیا ہے: ایک

۱۔ بحار الانوار۔ جلد / ۴۸۔ ص / ۱۰۱۔ ص / ۱۰۴۔

۲۔ اعلام الوری باعلام الہدی۔ ص / ۳۰۷۔

دفعہ میں نے مدینہ کا سفر کیا تاکہ اپنے قرض کی ادائگی کا انتظام کر سکوں. میں نے سوچا مجھے ابوالحسنؑ کے پاس جاکر حاجت پیش کرنا چاہیئے شاید پوری ہوجائے میں یہ سوچکر امامؑ کی زمین "نقمی" .(نعمتی مدینہ کے باہر ایک جگہ جو آل ابو طالب کی ملکیت تھی.) میں آیا امامؑ اپنے غلام کے ہمراہ وہاں سے باہر تشریف لائے. آپ کے پاس سفید گوشت کے سوپ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ امام علیہ السلام نے اسکو تناول فرمایا ہم نے بھی اسے کھایا۔ پھر امام نے میری حاجت پوچھی. میں نے اپنا قصہ بیان کر دیا. امام علیہ السلام اندر تشریف لے گئے اور کچھ ہی دیر بعد واپس آکر اپنے غلام سے کہا، تم باہر چلے جاؤ.

پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر مجھے ایک تھیلی دی جس میں تین سو دینار موجود تھے، پھر آپ کھڑے ہوئے اور میری جانب بیٹھ کر لی. میں اٹھا اور سواری پر بیٹھ کر وہاں سے واپس چلا آیا،[۱].

آپ کے حسن اخلاق کی دوسری مثال یہ تھی کہ آپ بد سلوکی سے پیش آنے والوں کو معاف کر دیتے تھے اور اس کے مقابلے میں احسان فرمایا کرتے تھے۔ اگر آپ کو کسی شخص سے رنج پہنچتا تھا تو اسکو دیناروں کی تھیلی بھجوایا کرتے تھے۔ یہ تھیلیاں تین سو سے دو سو دینار کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ امام علیہ السلام کی خیرات لوگوں کے درمیان مثال بن گئی تھیں.[۲].

۱۔ بحارالانوار۔ جلد/۴۸۔ ص/۱۰۲۔

۲۔ مقاتل الطالبین۔ ابو انواع اصفہانی۔ ص/۴۹۹۔

آپ کے عفو و حسن اخلاق کو اس روایت سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے: "ایک شخص جب بھی امام موسی کاظم علیہ السلام کو دیکھتا تھا حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا۔ اور امام علیہ السلام کو اذیتیں پہچاتا تھا۔

آپ سے آپ کے کچھ اصحاب و شیعوں نے کہا: ہمیں اجازت دیجئے، ہم اسے قتل کر دیں گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ اجازت نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس سے ملاقات کا قصد کیا اور سوار ہو کر اس کے کھیت کی جانب روانہ ہوئے اچانک آپ کی سواری نے اس کا کھیت روند ڈالا۔ وہ چلا اٹھا: میرا کھیت خراب نہ فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے اسکی جانب توجہ نہیں دی اور آگے بڑھتے رہے۔ اس کے قریب پہنچ کر آپ سواری سے اترے، اور اس سے نزدیک بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے اس کو باتوں سے ہنسانا شروع کر دیا اور پوچھا: تم نے اس کھیت پر کتنا خرچ کیا ہے؟ کہنے لگا: سو درہم۔ امام علیہ السلام نے کہا: تمھیں کتنے منافع کی امید ہے؟ کہا: نہیں معلوم۔ امام علیہ السلام نے پھر کہا، میں نے پوچھا تھا کتنے کے امید ہے؟ اس نے کہا سو درہم کی امید ہے۔ امام علیہ السلام نے تین سو دینار نکال کر اسے دیے اور پھر کھڑے ہو کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا بعد میں جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو وہ شخص امام علیہ السلام کی جانب لپکا اور آپ کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگا ،" اللّٰه اعلم حیث یجعل رسالته " (خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے) اس کے ساتھی بھی جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے: تم نے یہ کیا کیا؟ وہ ان لوگوں کی طرف گھوما اور ان کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس کے بعد کبھی بھی امامؑ

تشریف لاتے تھے وہ سلام کرتا تھا اور آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا۔ امام کاظم علیہ السلام نے اس سے کہا، تمھارے اور میرے ارادے میں کس کا ارادہ بہتر تھا"۔[۱]

یہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اخلاق کا ایک نمونہ تھا۔ امام کاظم علیہ السلام کے اس عفو و درگزر اور غصے کو پی جانے کی صفت کے باعث آپ کا حق ہے کہ آپ کو عبد صالح اور کاظم کا لقب دیا جائے۔

یہ کرم یا عفو و سخاوت اور حریت پسندی کا ایک امام معصومؑ سے صادر ہونا دوسرے کسی غیر امام سے صادر ہونے سے فرق کرتا ہے۔ کیوں کہ غیر امام کا ان افعال کو انجام دینا بعض اوقات ریاء کاری یا معاشرتی عزت و وقار کے باعث ہوتا ہے۔ لیکن امام معصومؑ سے ان امور کا صادر ہونا ان کے ذاتی کمال کا باعث ہوتا ہے۔ جو کہ شخصی تعریف اور اجتماعی عزت و وقار سے پاک ہے یہ حضرات سخاوت و بخشش انجام دیتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرتے ہیں جب کہ اس میں کسی قسم کی دنیاوی غرض نہیں ہوتی۔ ان کے مد نظر فقط رضایت الٰہی ہوتی ہے۔

"انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء و لا شکورا"

(ہم فقط خدا کی خاطر یہ کھانا دیتے ہیں۔ تم سے نہ تو جزاء کے طلب گار ہیں اور نہ ہی شکریے کے)ان افراد کا اخلاق انکے نفسوں کی بالیدگی کے باعث ہے

۱۔ مقاتل الطالبین۔ ص / ۳۵۹۔

یہی وجہ ہی کہ دوسروں کا ٹیک افعال انجام دنیا امام معصومؑ کے افعال سے بالکل مختلف ہوتا ہے. کیوں کہ نیک کاموں کی اساس کثرت پر نہیں ہے بلکہ نیت پر ہے یہی چیز مخلوقات کے افعال کے درمیان امتیاز کا باعث ہے.

امام کاظمؑ کا مدرسہ اور آپ کی علمی منزلت

الف : امام علیہ السلام اور آپ کی علمی درسگاہ

"و کان اعبد اھل زمانہ و اعلمھم و افقھھم"[1]

(آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عبادت گزار، پڑھے لکھے اور فقیہ تھے۔)

امام موسیٰ کاظمؑ اپنے زمانے میں خاندان نبوت کے چشم و چراغ اور علوم اہل بیت علیہم السلام کے وارث تھے۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے جو کہ معلم شریعت اور امام العلماء تھے۔ جن کے سلسلے میں مالکی مسلک کے امام مالک بن انس نے کہا تھا، آج تک نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ تو کسی کان نے سنا اور نہ ہی کس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ (حضرت) جعفر صادقؑ سے فضیلت و علم و عبادت و تقویٰ میں کوئی افضل ہے۔[2]

یہی نہیں بلکہ مشہور مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ: آپ لوگوں کے درمیان

۱۔ اعلام الوریٰ باعلام الھدیٰ۔ طبرسی۔ ص / ۳۰۶۔

۲۔ مناقب آل ابی طالب۔ ابن شہر آشوب۔ جلد / ۳۔ ص۔ ۳۷۲۔

دین الٰہی کے سلسلے میں افضل و اعلم تھے جب صاحبان علم آپ کا قول نقل کرتے تھے تو کہتے تھے اخبرنا العالم (ہمیں عالم نے خبر دی ہے)[۱]۔

امام جعفر صادقؑ کی شخصیت علماء و فقہاء و محدثین کے درمیان پوشیدہ نہیں ہے اسی طرح سے معارف اسلامی کے تشنگان کے درمیان بھی آپ بہت معروف رہیں۔ موسسہ بلاغ کی ان سلسلے وار کتابوں میں گذشتہ کتاب امام جعفر صادقؑ کی سوانح حیات سے مخصوص تھی۔ جس میں آنحضرت کا سیر حاصل تذکرہ ہوا ہے

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت حاصل ہوئی تھی اس سلسلے میں ہمارے پاس متعدد روایات موجود ہیں۔ ان روایات میں سے ہم امام ہفتمؑ کے برادر جناب علی بن جعفر علیہ السلام کی روایت کو نقل کرتے ہیں آپ کا شمار موثق راویوں میں ہوتا ہے آپ نقل کرتے ہیں، میں نے آپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے خاص اصحاب سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

"استوصوا بابنی موسی ہذا خیرا فانه افضل ولدی و من اخلف من بعدی وهو القاطم مقامی والحجة لله تعالی علی کافة خلقه من بعدی" .

(تم سب میرے اس بیٹے موسیٰ کے ساتھ نیک سلوک روا رکھو چونکہ

۱۔ تاریخ یعقوبی جلد ۳، ص ۱۱۹۔

یہ میری اولاد اور میرے بعد آنے والی اولاد میں سب سے افضل ہے۔ یہ میرا قائم مقام ہے۔ اور میرے بعد تمام مخلوقات پر خدا کی حجت ہے۔)[۱]

آپ نے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

" ان ابنی ھذا الذی رایت لو سالتہ عما بین دفتی المصحف لاجابک فیہ بعلم "۔

میرا یہ بیٹا جسے تم نے دیکھا، اگر اس سے تم مصحف کے اندر کی کوئی بات پوچھوگے تو تمہیں اس کا صحیح جواب دے گا۔) یہ امامت کی گواہی اس عظیم شخصیت نے دی ہے جو مسلمانوں کا امام اور علماء و متکلمین کا استاد تھا اسی لئے امام ہفتم علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار کے بعد اس عظیم علمی امانت کو کاندھوں پر اٹھایا اور عباء امامت کو زیب تن کرتے ہوئے شریعت کی حفاظت فرمائی۔ اس الٰہی امانت کو پوری کائنات میں نشر کیا اور بزرگ علماء و راویان و محدثین کی تربیت و پرورش کی جب کہ اس عظیم ذمہ داری کو فقط ۳۵ سال میں آپ نے پایۂ تکمیل تک پہچایا۔

آپ کا زمانہ فلسفہ، عقائد، فقہی اجتہاد اور تفسیر و روایات وغیرہ کی کجرویوں کا زمانہ تھا یہ دور مسلمانوں کے لئے خطرناک ترین زمانہ تھا۔ اس میں کفر و نفاق و غلو جیسے گمراہ کن نظریات کا بول بالا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ شرعی احکام کو سمجھنے کے لئے مختلف علوم سے استفادہ کیا جانے لگا تھا جس میں سے منطق، فلسفہ،

۱۔ اعلام الوری باعلام الہدی۔ ج۲۔ طبرسی۔ ص/ ۲۵۹۔

علم کلام، علم لغت وغیرہ سر فہرست ہیں۔

اسی طرح سے قیاس، استحسان اور ذاتی رائے جیسی غلط روشیں اسلام میں داخل ہونے لگی تھیں۔ حکام کی جانب سے معین فقہاء و قاضی اپنے نظریات و افکار سے فیصلے دینے لگے تھے۔ جھوٹی روایات اور اخبار کا بول بالا تھا۔ اس اعتبار سے عقائد اور شریعت کی دنیا میں یہ سب سے خطرناک زمانہ تھا۔ سیاسی اعتبار سے زمانے کا نامساعد ہونا اور ظالم حکمرانوں کی جانب سے دئے جانے والے شکنجے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی علمی فعالیت کے راستے میں حائل نہ ہوسکے آپ ہر زمانے میں معاشرہ کی اصلاح میں مشغول رہے آپ اپنے شاگردوں کے ہمراہ رہے پدر بزرگوار کی طرح کفر و نفاق کا ثبات قدم کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ جس کے باعث توحید و عقائد اسلامی کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں۔ اور اسلام لوگوں کے دلوں میں رسوخ کرتا چلا گیا۔ یہی نہیں بلکہ فقہ اسلامی "حدیث و روایات اور تفسیر کے میدان میں دوسرے مکاتب کے خود ساختہ طریقوں سے بے نیاز ہوگئی۔

رجال کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ تین سو سے زائد راویان نے امام موسیٰ کاظمؑ سے روایات نقل کی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ امام علیہ السلام کے شاگردوں میں ایسے علماء تھے جو علمی میدان میں نیر تابان کی حیثیت رکھتے تھے ایسے بزرگ تھے جنھوں نے علمی ورثہ کے طور پر متعدد کتابیں اس کائنات کو عطائی ہیں۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

" ہمارے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام کاظمؑ اور امام رضاؑ کے چھ معتبر فقہاء گزرے ہیں، یونس بن عبدالرحمن، صفوان بن یحیی، بیاع السابری، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، حسن بن محمود اور احمد بن محمد بن ابو نصر [۱]"۔

آپ کے مجاہد شاگردوں میں علم کلام و توحید کے مثال علماء، جو کہ متعدد کتابوں کے مولف ہیں ہشام بن حکم، علی بن سوید، محمد بن سنان... وغیرہ ہیں۔ ہم یہاں پر اس کتاب کے مختصر ہونے کے باعث آپ کے فقط کچھ ہی شاگردوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جس سے امام علیہ السلام کے تبحر علمی کا کسی حد تک اندازہ ہو سکتا ہے۔

❑ ۱۔ علی بن سوید السوئی۔

آپ نے امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ سے روایات نقل کی ہیں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زندان میں قید ہونے کے باوجود آپ نے آنحضرتؑ سے خطوط کے ذریعے رابطہ قائم رکھا تھا اور امام علیہ السلام کا ان کے خطوط کا جواب دینا آپکے رتبے کی بلندی اور نفس کی بالیدگی کی دلیل ہے۔ آپکی کتاب سے احمد بن زید خزاعی نے روایات نقل کی ہیں۔ [۲]

۱۔ المناقب ابن شہر آشوب۔ ص/ ۳۲۵۔ جلد/ ۴۔
۲۔ بحار الانوار۔ مجلسی۔ جلد/ ۴۸۔ ص/ ۱۶۸۔

۲۔ محمد بن سنان

آپ حسن کے بیٹے اور سنان کے پوتے تھے۔ مگر آپ کی صغر سنی میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کے باعث دادا نے پرورش کی لہذا ان کی جانب منسوب ہیں آپ کی کنیت ابو جعفر ہے اور زاہری کے) نام سے مشہور ہیں یہ لقب آپ کو امام کاظمؑ اور امام رضاؑ) صحابی عمر بن حمق خزاعی کے) غلام سے نسبت ہونے) کے باعث حاصل ہوا تھا۔ آپ کی کتاب سے حسن بن شمون، محمد بن حسین، احمد بن محمد، محمد بن علی صیرفی وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ آپ سے صفوان، عباس بن معروف، عبدالرحمن بن حجاج جیسے بزرگ راویان نے بھی روایات نقل کی ہیں۔

۳۔ محمد بن ابو عمیر ازدی

آپکے والد کا نام عمیر بن عیسیٰ ہے۔ آپ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ آپ عامہ و خاصہ دونوں کے نزدیک موثق و معتبر شخصیت کے) حامل تھے۔ اور سب سے زیادہ عبادت گذار، باتقویٰ و روزہ رکھنے والے تھے۔

جب جاحظ کے نزدیک آپ کا تذکرہ ہوا تو اس نے کہا، وہ اپنے زمانے میں اولین درجہ رکھتے تھے۔ اس نے یہ بھی کہا، وہ شیعوں کی نمایاں شخصیت میں سے ایک تھے ہارون رشید کے) زمانے میں آپ کو قید کیا گیا تاکہ آپ پر مقدمہ چلایا جاسکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس لئے قید کئے گئے کہ شیعوں اور اصحاب امامؑ کے)

نام بتادیں اسی وجہ سے آپ کو مارا بھی گیا کہ شدت الم سے آپ نام بتادیں. جب محمد بن یونس بن عبدالرحمن نے سنا تو کہا: اے محمد بن ابو عمیر خدا سے ڈرو.

یہ سنکر آپ نے صبر کیا اور مار کھاتے رہے. نتیجے میں خدا نے آپ کو ان مشکلات سے نجات دیدی. کسی نے لکھا ہے کہ ہارون کے زمانہ میں آپ کو ۱۲۰ کوڑے مارے گئے آپ کو سندی بن شاھک نے کوڑے مارے تھے. مگر آپ شیعیت پہ باقی رہے پھر آپ کو قید میں ڈال دیا گیا اور جب تک آپ نے ۲۱ ھزار درھم ادا نہیں کیے زندان سے آزاد نہیں ہوئے.

روایت کی گئی ہے کہ مامون نے آپ کو قید میں ڈالا تھا یہاں تک کہ بعض شہروں کے بزرگوں نے آپ کی ضمانت کی شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الاختصاص" میں نقل کیا ہے کہ آپ کو ۱۷ سال زندان کی سختیوں میں زندگی گزارنا پڑی. آپ کی قید کی زندگی کے درمیان آپ کی بہن نے آپ کی کتابوں کو زمین میں دفن کردیا جو کہ چار سال تک زمین میں دبی رہیں. جس سے تمام کتابیں خراب ہوگئیں. یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ایک کمرے میں کتابیں رکھی تھیں جہاں بارش سے سیلاب آیا اور ساری کتابیں خراب ہوگئیں.

اسی وجہ سے آپ نے اپنے حافظے کی بناء پر روایات بیان کی ہیں. یا پھر ان روایتوں کو بیان کیا ہے جو لوگوں کو سنا چکے تھے اور انہیں حفظ تھیں. آپ امام کاظم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھے مگر آپ سے روایت نقل نہیں کی ہے. بلکہ امام رضا اور امام جواد علیہما السلام سے روایات نقل کی ہیں آپ کا

انتقال ۲۱۷ھ میں ہوا[۱].

اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو خوف تھا آپ کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے تعلقات کا انکشاف ہو جائے گا جو ہر دو کے لئے خطرناک ثابت ہوگا. مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے ۹۴ کتابیں تالیف کیں جو کہ مختلف علوم و فنون میں تھیں.

۴۔ ہشام بن حکم.

ابوالحکم ہشام بن حکم بغدادی کندی بنی شیبان کے سردار تھے. آپ ان افراد میں سے ہیں، جن کے موثق و معتبر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے. آپ کا شرف اور آپ کی امام کے نزدیک منزلت معروف ہے. آپ نے متعدد دفعہ اصول دین میں مخالفین سے مناظرے کئے ہیں. آپ نے تین اماموں کے امام جعفر صادق علیہ السلام امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام علی رضا علیہ السلام کی مصاحبت کا شرف حاصل کیا ہے. آپ کا انتقال ۱۷۹ھ میں کوفہ میں ہوا[۲].

مورخین نے لکھا ہے کہ ہشام بن حکم متعدد علوم سے واقف تھے بالخصوص توحید و امامت و عقائد میں تو آپ بے مثال تھے. آپ نے تقریبا ۳۰ کتابیں تالیف فرمائی ہیں[۳].

۱۔ بحار الانوار مجلسی۔ ص / ۵۶۔ جلد۔ ۴۸ / و۔ ص / ۵۷۔

۲۔ تحف العقول عن آل الرسول۔ ص / ۲۸۳۔

۳۔ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفرؑ۔ جلد / ۲۔ ص / ۳۳۴۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی علمی سرگرمیوں کا یہ ایک سرسری جائزہ تھا۔ جس میں ہم نے ان علماء و فقہاء کا تذکرہ کیا جنہوں نے آنحضرتؑ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا تھا۔ اور آپ سے کسب کردہ علوم کی بدولت مشہور زمانہ قرار پائے تھے۔

سید ابن طاووس ناقل ہیں کہ: "امام علیہ السلام کے خاص افراد امامؑ کی مجالس میں شرکت کرتے تھے جن کی آستینوں میں درخت کی تختیاں ہوتی تھیں۔ آنحضرتؑ جب کلام فرماتے تھے یا کوئی فتویٰ دیتے تھے تو سب اس کو فوراً لکھ لیا کرتے تھے"[1]۔

ب۔ توحید کے سلسلے میں معرفت امام

مسلمانوں کا عقیدۂ توحید پر اتفاق ہے اور اس چیز کو نبی وحدانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے خوب اچھی طرح لوگوں کو سمجھایا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اس عقیدے کو اہمیت دی ہے۔ مسلمانوں نے اس عقیدے کے ذریعہ بقیہ دیگر عقائد جیسے نبوت وحی آخرت جنت و جہنم وغیرہ کو قبول کیا ہے۔

اس کے علاوہ خدا کی صفات، اس کا اپنے بندوں سے تعلق اور اس کی رازقیت عالمیت وغیرہ کا بھی اقرار کیا ہے۔ جسے رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بیان فرمایا ہے اور مسلمان صدق دل سے ان سب پر ایمان لائے ہیں۔

۱۔ الائمۃ الاثنا عشر۔ عادل الادیب۔ ص/۱۸۶۔ فنون میں ہیں۔

لیکن جب فلسفہ و منطق بھی مسلمانوں کے درمیان رائج ہوگیا اور اس سلسلے کے نظریاتی اختلافات کلامی و اعتقادی امور جو صفات خدا، افعال بندگان اور احوال قیامت کے سلسلے میں تھے، ان پر بھی اثر انداز ہوا تو نتیجے میں بعض مفکرین نے خدا کو جسم عطا کیا تو بعض نے اس پاک ذات کو فضاء دینا میں گدھے پر سوار نازل ہوتے ہوئے تصور کیا۔ کچھ لوگ جبر و تفویض کی جانب مائل ہوئے اور بعض نے عذاب قبر کا انکار کیا۔ کچھ لوگوں نے تو اصلا معاد جسمانی کا انکار کردیا بعض گمراہ افراد نے تصوف و رہبانیت و ترک دنیا جیسے خطرناک نظریات کو ہوا دی۔ ... ائمہ اطہار علیہم السلام نے اس کے مقابلے میں سخت موقف اختیار کیا بالخصوص امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ و امام علی رضاؑ نے اس کاڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور ان باطل عقیدوں کو عقلی و نقلی دلیلوں سے رد کیا۔ جب بعض لوگوں نے خدا کے فضاء عالم پر نازل ہونے کا نظریہ پیش کیا تو امامؑ نے ارشاد فرمایا:

" خدائے تبارک و تعالیٰ نہ تو دنیامیں نازل ہوتا ہے اور نہ ہی اسے نازل ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کی نگاہ قریب و دور کے لئے مساوی ہے، کوئی دوری اسکے لئے دور نہیں ہے اور کوئی قرب اس کے لئے قریب نہیں ہے۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز اس کی محتاج ہے۔

وہ صاحب رحمت ہے اور اس عزیز و حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور یہ کہنا کہ خدا نازل ہوتا ہے۔ خدا اس سے پاک و بلند و بالا ہے۔ تو یہ نسبت دینے والا

خدا کے لئے نقصان و زیادتی کا قائل ہوگیا۔ کیوں کہ ہر متحرک شیئے کسی حرکت دینے والے یا جس کے ذریعے سے حرکت ہو اسکی محتاج ہے۔ جس نے خدا کے سلسلے میں ظن و گمان سے کام لیا وہ ہلاک ہوگیا خدا کے صفات کے سلسلے میں خدا سے ڈرو اس کی ایسی تعریف نہ کرو جس سے اس میں نقص یا زیادتی عائد ہوتی ہو۔ یا تحریک و تحرک لازم آتا ہو۔ یا زوال و زوال پذیری عائد ہو یا اٹھنا بیٹھنا لازم آئے۔ بیشک خداوند کریم توصیف کرنے والے کی توصیف، مدح کرنے والے کی تعریف اور گمان کرنے والے کے گمان سے پاک و بے نیاز ہے"[1]۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس شخص کی رد میں جو آیہ شریفہ "الرحمن علی العرش استوی" کی تفسیر کر رہا تھا کہ خدا عرش پر کرسی پر بیٹھنے کے مانند بیٹھا ہے، ارشاد فرمایا:

"اس آیہ شریفہ" الرحمن علی العرش استوی "کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر بڑے اور چھوٹے پر قدرت رکھتا ہے یعنی تمام ہستی پر اس کا تسلط ثابت ہے یہ قدرت و تسلط اسی طرح ہے جس طرح خدا کے لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ صاحب بخشش و کرم ہے وہ سب پر مسلط ہے جب کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی اس کے لئے کوئی دوری نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس سے پنہاں ہے"[2]۔

آپ سے ایک شخص نے اس آیہ شریفہ "دنا فتدلی فکان قاب قوسین

۱۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ۔ الطبرسی۔ ص ۳۸۲۔

۱۔ اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ۔ الطبرسی۔ ص/۳۸۲۔

او ادنی " کی تفسیر میں مناظرہ کیا. وہ کہہ رہا تھا، میری نگاہ میں اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تمام پردے ہٹ گئے جب کہ آپ زمین سے قریب تھے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت نے اپنے خدا کو نگاہ قلب سے دیکھا جب کہ نسبت یہ دی جاتی ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: " دنا فتدلی " سے مراد یہ ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں اور نہ ہی بدن نازل ہوا اس شخص نے کہا، میں اسی طرح توصیف کردوں گا جسطرح خود خدا نے کہا ہے " دنا فتدلی " اپنی جگہ سے نہیں ہٹے سوا یہ کہ دوسری جگہ چلے گئے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان جملوں سے خدا بیان نہ کرتا۔

امامؑ نے جواب دیا یہ قریش کی زبان ہے جب یہ کہنا چاہیں میں نے سنا تو کہتے ہیں " قد تدلیت " یعنی میں نازل ہوا تدلی کے معنی فہم و ادراک کے ہیں[1]۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے خدا و بندگان خدا کے ارادوں کے درمیان تعلق کی حقیقت کو بڑے خوبصورت انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ انسانی رفتار اور اس سے صادر ہونے والے خیر و شر میں انسان کی آزادی کا کتنا دخل ہے اور انسان کو اپنے افعال کی انجام دہی کے لئے کتنا اختیار عطا کیا گیا ہے ۔ خدا نے ارادۂ انسانی کو مقید نہیں کیا ہے. اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا انسان کو برے کام سے نہیں روک سکتا یا اچھے کام کے لئے مجبور کردیا ہے۔

۱۔ اعلام الوری باعلام الہدی۔ الطبرسی۔ ص/ ۳۸۶۔

بلکہ انسان کو اختیار دیکر اس نے انسانوں کو آزمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: جب خدا نے مخلوق کو خلق کیا تو وہ جانتا تھا کہ آئندہ ان کی حالت کیا ہوگی اس نے مخلوقات کو امر و نہی کی لیکن اس نے جس کام کی انجام دہی کا حکم دیا اس کے ترک کرنے کا راستہ بھی اسے عطا کیا اس سلسلے میں ان کو مقید نہیں کیا اور نہ ہی ان سب کو اپنی اجازت کے بغیر آزاد چھوڑ دیا. خدا نے کسی بھی بندے کو گناہ انجام دینے کے لئے مجبور نہیں کیا ہے. بلکہ اس کو اختیار دیکر اس کا امتحان لیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"لیبلوکم ایکم احسن عملا"

تاکہ امتحان لے سکے کہ تم میں سے کون نیک اعمال انجام دینے والا ہے [1]۔

اس فصیح و بلیغ بیان کے ذریعے امام علیہ السلام نے انسانی رفتار کے فلسفے کو بیان فرمایا ہے. اور یہ بھی واضح کر دیا کہ خدا اور بندے کے ارادے میں کیا ربط ہے. اور لفظ امتحان کے ذریعے تمام مفاہیم کو بنی نوع بشر کے ذہن سے قریب کر دیا ہے.

☐ ج: امام کا افکار و شریعت کے مصادر کا ثابت کرنا

ہم نے گذشتہ بحث میں امام علیہ السلام کے توحید و عقائد و کردار انسانی کے سلسلے میں نورانی کلام پڑھا۔ یہاں پر ہم امام علیہ السلام کا افکار انسانی اور حقیقی

۱۔ اعلام الوری باعلام الھدی۔ طبرسی۔ ص/ ۳۸۲۔

شریعت کی اساس سے سلسلے میں ارشاد نقل کریں گے۔ یہ تشریح امامؑ نے ہارون رشید کے اس قول کے جواب میں فرمائی ہے جس میں اس نے امامؑ سے گزارش کی تھی کہ، آپکو آپ کے اجداد کا واسطہ آپ نے ہمارے سامنے ہونے والی گفتگو کو کیوں مختصر کلمات میں ختم کر دیا۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہاں! قلم و دوات لاؤ تاکہ میں لکھ سکوں پھر آپ نے یوں لکھنا شروع کیا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

دینی امور کی چار قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔ یہ وہ ضروری چیزیں ہیں جس کو ماننا سب کے لئے لازم ہے۔ اور وہ روایتیں ہیں کہ جن پر سب متفق ہیں۔ یہ وہ میزان ہے جس پر ہر شبہے کو وزن کرنا چاہیئے۔ اور ہر حادثے کا حکم اس سے معلوم کرنا چاہیئے۔ یہ اجماع ہے۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ جس میں تردید اور انکار کی گنجائش ہے۔ جو اس کو سمجھنا چاہے اس کو چاہیے کہ اس امر کے اہل افراد سے مطالبہ کرے تاکہ وہ اسے ان تین ذریعوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ بیان کرے۔ قرآن سے دلیل ہو کہ جو اجماعی ہو اور اختلافی نہ ہو یا سنت و روایت ہو کہ جس پر اجماع و اتفاق ہو اور اختلاف نہ ہو جس کے ذریعے دلیل قائم کر سکے۔ یا ایسی دلیل ہو جس کو صحیح عقلیں قبول کریں۔ اور اسکی عالم و غیر عالم کوئی بھی تردید نہ کرے۔ اور یہ دونوں امور (مسائل ضروری و اتفاقی اور مسائل اختلافی) تمام دینی مطالب کو اپنے اندر

سمیٹے ہوئے ہیں۔ مسالہ توحید سے لیکر آخری مسئلے تک ہر مسئلہ اس میں مل جائیگا۔ بدن پر پڑجانے والی خراش اور حواب کے اثرات جیسے مسائل بھی اس میں ہیں یہ وہ چیز ہے جس پر دینی مسائل کو پرکھنا چاہیے۔ تاکہ جو محکم دلیل والا ہو اسے قبول کرلو اور جو مشکوک ہو اس پر عمل نہ کرو۔ لہذا جس کے پاس یہ تینوں چیزیں ہوں (قرآن، سنت، دلیل عقلی) اس کے پاس حجت بالغہ آگئی۔ یہ وہی حجت بالغہ ہے جس کے بارے میں خدا نے اپنے نبیؐ سے کہا تھا" کہدو کہ خدا کے لئے حجت بالغہ ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کی ہدایت کر سکتا ہے"

حجت بالغہ وہ ہے کہ جو جاہل کی (بھی) ہدایت کرتی ہے۔ اگرچہ وہ جاہل ہے مگر خوب اچھی طرح اسے سمجھتا اور درک کرتا ہے جس طرح سے عالم اپنے علم سے اسے درک کرتا ہے۔ حجت بالغہ اس لئے ہے کہ خدا عادل ہے اور ظلم نہیں کرتا۔ وہ دلیل قائم کرتا ہے تاکہ مخلوقات جو جانتے ہیں اس کے ذریعہ خدا کو پہچان سکیں نہ یہ کہ اس چیز پر دلیل قائم کرتا ہے جسے وہ نہیں جانتے یا جس سے روگردانی کرتے ہیں۔[1]

اس طرح امام علیہ السلام نے عقائد و شریعت کے مدرک کو ثابت فرمایا تاکہ فکر و شعور انسانی لغزشوں اور گمراہوں سے محفوظ ہوجائے۔ اسی وجہ سے امامؑ نے قرآن کریم اور سنت حقیقی کو مشخص فرما دیا۔ اس کے بعد قیاس کی منزل ہے جو فقیہ کو قرآن و سنت کی کلیات کو جزئی مسائل پر منطبق کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔

۱۔ تحف العقول۔ ص/۳۰۰۔

امام علیہ السلام نے خوب اچھی طرح قیاس کی اقسام کو بیان فرمادیا تاکہ ہر طرح کی فقہی کجروی سے انسان بچ سکے۔ اور قرآن و سنت سے دور نہ ہوجائے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فکر و فہم کی وحدانیت پر زور دیا ہے جس سے شریعت الٰہی غیر حقیقی و غیر صحیح امور سے محفوظ رہے۔ اس کے لئے کلام معصوم نے مفاہیم قرآن اور درست و حقیقی سنت کو انسانی فکر و فہم و احکام کی اساس قرار دیا ہے۔

اسی طرح سے ان دو مصادر سے صادر ہونے والی فکر و فہم پر منحصر قیاس کو بھی درست قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید کی غلط تفسیریں، نامعلوم راویوں کی جعلی روایتیں اور ذاتی رائے پر منحصر قیاس وغیرہ اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ بنی نوع آدم کی دنیاوی زندگی کو اس انداز میں منظم کر سکیں کہ وہ آخرت میں سرافراز و سرشار ہوسکے۔ امام ہفتم علیہ السلام نے قرآن مجید کی صحیح تفسیر اور ثابت شدہ حقیقی سنت و سیرت کو انسانی زندگی کے لئے مقیاس و میزان قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام کاظم علیہ السلام نے بے شمار فقہاء، علماء، راویان ...... وغیرہ کی تربیت کی تھی۔ اور آپ نے ان افراد کو فتووں، احکام الٰہی، مناظرے ...... وغیرہ کے میدان کا شہ سوار بنادیا تھا۔

تاریخ کے دامن میں ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فکری و فقہی میدان میں غلط راہ کو اختیار کرنے والے افراد سے کس طرح مناظرہ فرمایا تھا۔ ان میں سے ابو حنیفہ، ہارون رشید کا قاضی ابو یوسف وغیرہ

سرفہرست ہیں۔ آخر میں ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ افراد آنحضرت کے علم و کمال کے قائل ہو گئے تھے اور آپ کے بتائے ہوئے احکام و فتوی کو قبول کیا تھا۔

اسی طرح حنبلی فرقے کے امام احمد بن حنبل نے امام کاظم علیہ السلام کو موثق و بزرگوار کہہ کر یاد کیا ہے۔ جس کے سلسلے میں متعدد روایات میں تاکید وارد ہوئی ہیں۔ ایک جگہ احمد بن حنبل لکھتے ہیں: (قال: حدثنی موسی بن جعفرؑ ...) مجھ سے موسیٰ بن جعفرؑ نے بیان فرمایا: کہ: مجھ سے میرے والد جعفر بن محمدؑ نے بیان کیا ... یہاں تک کے سند حدیث کو رسول اسلام (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) تک پہنچا دیا۔ پھر احمد بن حنبل کہتے ہیں: اگر اس سند کو کسی مجنون کے سامنے پڑھ دیا جائے تو وہ صحیح الدماغ ہو جائیگا۔ [1]

❑ د: امامؑ کے نزدیک عقل کی علمی و عملی اہمیت

اسلام میں عقل ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ کیوں کہ اسی کے ذریعے خدا کی شناخت اور اسکی عظمت کا عرفان ممکن ہے۔ اسی کے توسط سے علوم و معارف کا انکشاف اور انسانی زندگی کی ترقی کا امکان ہے۔ یہی عقل ہے جو انسان کو راہ ہدایت کی جانب لے جاتی ہے اور خیر و شر کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے اس عقل سے انسان کی وقعت اور اسکی شخصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کو بہت اہمیت دی ہے اور عقل و صاحبان عقل کا احترام کیا ہے۔

۱... بحار الانوار۔ جلد/ ۴۸۔ ص/ ۱۰۲۔

علم و صاحبان علم کی توقیر کی ہے اور فکر و تفکر کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ عقل کو بروے کار لانے اور اس کے ذریعے سے انکشافات کو فروغ دینے کی ترغیب دلاتی ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے جب عقل کا تذکرہ کیا اور اس کی وقعت و اہمیت کو بیان فرمایا تو قرآن کی زبان میں اسلام کے نظریے کو بھی بیان کردیا۔ اور وہ وصیت جو آپ نے اپنے ایک شاگرد ہشام بن حکم سے عقل کے سلسلے میں فرمائی ہے اسے سب سے اچھی اور قیمتی وصیت کہہ کر یاد کیا ہے۔ ہم اس عظیم وصیت کو یہاں نقل کریں گے۔ جس سے ہماری یہ مختصر سی کتاب بھی اہمیت کے اعتبار سے لاجواب ہوجائیگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: خداوند کریم نے اپنی کتاب میں صاحبان عقل و فہم کو ان الفاظ میں بشارت دی ہے: میرے ان بندوں کو بشارت دو جو تمام اقوال سننے کے بعد سب سے اچھے قول پر عمل کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ان لوگوں کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور یہی افراد صاحب خرد و عقل ہیں۔ (سورہ زمر/۱۸)

اے ہشام خداوند کریم نے لوگوں پر اپنی حجتوں کو عقل کے ذریعے مکمل کردیا ہے۔ اپنے بیان کے ذریعے زمین ہموار کردی ہے اور دلیلوں کے توسط سے اپنی ربوبیت کو ثابت کردیا ہے۔ اے ہشام! پھر خدا نے یہ واضح کردیا کہ عقل علم کے ہمراہ رہتی ہے۔ ارشاد ہوا "اور ہم ان سب مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں (لیکن) ان کے بارے میں علماء کے علاوہ کوئی اور غور نہیں

کرتا"(العنکبوت ر ۴۳)

اے ہشام! خداوند عالم فرماتا ہے: "اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی" (لقمان ر ۱۲)اس میں حکمت سے مراد فہم اور عقل ہے۔

اے ہشام!! جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا" حق کے لئے تواضع اختیار کرو تاکہ تم عاقل ترین شخص بن جاؤ۔ بیشک حق کے پاس ادب کے ساتھ رہنا آسان ہے۔ اے میرے بیٹے دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے عالم ڈوب گئے۔ لہذا اس سمندر میں تمہاری کشتی خوف خدا، اس کشتی کا سامان ایمان، اس کا بادبان توکل، اس کا ستون عقل اس کا رہنما علم اور اس کی پتوار صبر ہونا چاہئے "اے ہشام! ہر چیز کے لئے ایک رہنما ہوتا ہے اور عقل کا رہنما تفکر ہے۔ اور تفکر کا رہنما خاموشی ہے۔ اور ہر چیز کے لئے ایک سواری ہوتی ہے اور عاقل کی سواری تواضع ہے۔ اور تمہارے لئے میری منع کردہ چیزوں پر سوار ہونے سے بہتر جہالت ہے۔ اے ہشام! لوگوں پر خدا کی جانب سے دو حجتیں ہیں۔ ایک حجت ظاہری اور ایک حجت باطنی حجت ظاہری رسل و انبیاء و ائمہ ہیں اور حجت باطنی عقلیں ہیں۔ اے ہشام! جس کی عقل کی عمارت منہدم ہوگئی اس کے دین و دنیا دونوں فاسد و خراب ہوگئے، اے ہشام! مخلوقات کو اطاعت خدا کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا بغیر اطاعت کے نجات ممکن نہیں ہے۔

اور اطاعت علم سے حاصل ہوتی ہے جب کہ علم تعلیم حاصل کرنے سے آتا ہے کیوں کہ تعلم و علم آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور علم عالم ربانی سے

حاصل ہوسکتا ہے۔ اور عالم ربانی کی شناخت فقط عقل سے ممکن ہے۔ اے ہشام! عاقل وہ ہے جو بغیر دنیا کے بھی حکمت سے راضی ہوتا ہے، جب کہ اگر بغیر حکمت کے دنیا مل رہی ہو تو وہ راضی و خوش نہیں ہوتا۔

اے ہشام امیر المومنین علی ابن ابو طالب علیہما السلام کا ارشاد ہے۔ "ان چیزوں میں جن سے خدا کی عبادت کی جائے سب سے بہتر عقل ہے"

اے ہشام بیشک امیر المومنینؑ نے یہ بھی فرمایا" کوئی بھی شخص تب تک صدر مجلس نہیں بن سکتا جب تک اس میں یہ تین خاصیتیں نہ پائی جاتی ہوں، اگر کچھ پوچھا جائے تو جواب دے سکتا ہو، جب لوگ کلام کرنے سے عاجز ہوں تو وہ گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ایسی رائے دے سکتا ہو جو سب کے حق میں مفید ہو۔ لیکن اگر کسی میں یہ خصلتیں نہ ہوں اور وہ صدر مجلس بن جائے تو وہ احمق ہے" اور امام حسن بن علی علیہما السلام نے ارشاد فرمایا، "جب تمہارے پاس حاجتیں ہوں تو ایسے شخص سے طلب کرو جو اسکی اہلیت رکھتا ہو" لوگوں نے پوچھا، فرزند رسولؐ کون ہے جو اہلیت رکھتا ہے، فرمایا "وہ افراد جن کا ذکر خدا نے قرآن مجید میں ان جملوں میں کیا ہے "بس تذکرہ تو فقط اولو الباب کرتے ہیں" اور اولو الباب صاحبان عقل ہیں"

اور امام علیؑ بن حسین سجاد علیہما السلام نے ارشاد فرمایا" صالح افراد کی ہم نشینی انسان کو اصلاح کی جانب لے جاتی ہے علماء کا ادب عقل کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، عادل حکمرانوں کی پیروی عزت لاتی ہے، مال کو بڑھا کر عطا کرنا مروت کو

بڑھاتا ہے، مشورت کرنے والے کی ہدایت کرنا نعمت کے حق کی ادائیگی ہے اور دوسروں کو تکلیف دینے سے پرہیز کرنا عقل کا کمال ہے۔

چوں کہ اس سے بدن کی فوری آسائیش اور بعد میں حاصل ہونے والی دائمی سہولت دونوں حاصل ہوتی ہے "اے ہشام عاقل وہ ہے جو اس سے بات نہیں کرتا جس سے خوف ہو کہ جھٹلادے گا اور اس سے بھی سوال نہیں کرتا جس سے انکار کا خطرہ ہو۔ اس چیز کو اپنی شمار نہیں کرتا جو اس کے قدرت اختیار میں نہ ہو اس چیز کی آرزو نہیں کرتا جس کی امید میں سختی ہوا اور اس کی جانب قدم نہیں بڑھاتا جس میں عاجزی کا خوف ہو حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے اصحاب کو وصیت فرمایا کرتے تھے، میں تم سب کو وصیت کرتاہوں کہ جلوت و خلوت ہر دو جگہ خوف خدا رکھو، خوشی اور غصے ہر دو میں عدالت سے کام لو، فقیری اور بے نیازی ہر دو دور میں طلب معاش کرو، جو تم سے قطع رحم کرے اس سے صلہ رحم کرو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو، جو تم پر پابندیاں لگائے اس سے مہربانی و عطوفت سے پیش آؤ، اور چاہیے کہ تمہارا تفکر عبرت ہو، تمہاری خاموشی فکر ہو، تمہارا کلام ذکر خدا ہو، تمہارے مزاج میں سخاوت ہو چون کہ بلاشبہ کنجوس جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اور سخی جہنم میں نہیں جا سکتا" (البتہ یہ امور ایمان کی شرط کے ہمراہ ہیں) اے ہشام؛ معرفت کے بعد جو چیزیں بندے کو خدا سے قریب کرتی ہیں ان میں سب سے افضل نماز، والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور حسد و عجب (خود پسندی) و فخر و افتخار کا ترک کرنا ہے۔ اے ہشام جناب عیسیٰؑ

نے حواریوں سے کہا تھا؛ لوگوں کے درمیان حکمت کے سلسلے میں دو قسم کے افراد ہیں، ایک وہ شخص ہے جو کہ بات محکم طور پر کرتا ہے، اور اپنے فعل سے اسکی تصدیق کرتا ہے لیکن دوسرا وہ شخص ہے جو بات تو محکم طریقے سے کرتا ہے مگر اپنی بد اعمالی سے خراب کردیتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔ بشارت ان علماء کے لئے ہے جن کا فعل قول کے همراہ ہو اور عذاب ان علماء کیے لئے ہے جو فقط زبانی دعوی کرتے ہیں۔ تم سب اپنے دلوں کو تقوے کا گھر قرار دو اور ہرگز دلوں کو شہوت کی آماجگاہ قرار نہ دینا مصیبتوں میں سب سے زیادہ وہ گریہ کرتا ہے جس کے دل میں سب سے زیادہ محبت دنیا ہوتی ہے، اور سب سے زیادہ صبر کرنے والا وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دنیا سے زہد اختیار کرتا ہے۔ تمہارا اس کام میں کیا فائدہ کہ تم بدن کو پاک کرو جب کہ تمہارے قلوب گندے ہوں۔ تم اس چھلنی کے مانند نہ بنو جس سے نفیس آٹا چھن کر نکل آتا ہے اور برادہ و بھوسی اس میں رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح سے تمہارے منہ سے حکمت جاری ہوتی ہے مگر کینہ تمہارے دلوں میں باقی رہتا ہے۔ اے دنیا کے بندو! ...... تم اس چراغ کے مانند ہو جو دوسروں کو تو نور عطا کرتا ہے مگر خود کو جلا ڈالتا ہے۔ ای بنی اسرائیل، خود کو علماء کی مجلسوں میں حاضر کرو چاہے اس کے لئے تمہیں دو زانو بیٹھنا پڑے۔ چوں کہ خداوند کریم مردہ دلوں کو نور حکمت سے دوبارہ زندہ کرتا ہے جس طرح سے مردہ زمینوں کو بارش کے قطروں سے زندہ کرتا ہے"۔ اے ہشام! بدترین بندہ وہ

ہے جو دو چہرے اور دو زبان رکھنے والا ہو جو منہ پر اپنے بھائیوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کی پشت پر ان کو نگل جانے کی کوشش کرتا ہے. اگر کسی دینی برادر کو نعمتوں میں دیکھتا ہے تو اس سے حسد کرتا ہے، اور اگر وہ بھائی مشکلات میں ہو تو اسے ذلیل کرنے کی سعی کرتا ہے ... بلا شبہ سب سے جلدی حاصل ہونے والی بھلائی نیکی کا پھل ہے اور سب سے جلدی ملنے والا عذاب سرکشی کی عقوبت ہے. اور بندگان خدا میں سب سے بدترین شخص وہ ہے جس کی ہمراہی لوگ اسکی بد زبانی کے باعث پسند نہ کریں۔ کیا لوگ ناک کے بل جہنم میں صرف اس بناء پر نہیں ڈالے جائیں گے کہ وہ دوسروں کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے؟

اسلام کی سب سے اچھی نیکی یہ ہے کہ انسان بے فائدہ و بے معنیٰ کام کو ترک کرے.

اے ہشام! تم تکبر سے پرہیز کرنا چوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جسکے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر پایا جاتا ہوئے کبریائی خدا کی شان ہے جس نے اس کو خدا سے اتارا خدا اسکو منہ کے بل جہنم میں ڈھکیل دے گا... اور جو خدا کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے خدا اس کی منزلت کو بلند کردتا ہے. اے ہشام! وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ہر روز اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے، اگر نیکی انجام دی ہے تو اس میں زیادتی کی دعاء کرے اور اگر برائی انجام دی ہو تو خدا سے استغفار و توبہ کرے .... تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم خدا سے متمسک رہو اور اس پر بھروسہ کرو. اور اس کوشش میں لگے رہو کہ اپنے نفس

کو خواہشات سے بچا سکو"[۱]

یہ کالم گلستان معارف کا ایک ایسا حسین و خوبصورت پھول ہے جس سے علم کی مہلک پھوٹ کر ماحول کو اخلاص سے معطر کر رہی ہے جس میں عبادت و بندگی کا حسن و جمال ہے... یہ مودت کا چمن ہے اور قرآن کا آشیانہ ہے. یہ اسلام کے لگائے ہوئے، درخت کے گلاب ہیں جو کائنات کے ذرے ذرے کو اپنی ملوکتی خوشبو سے معطر کر رہے ہیں ... اس سے زیادہ یہ مختصر کتاب ہمیں اس گلشن سے خوشے چینی کی اجازت نہیں دیتی ورنہ ہم علم و حکمت کے مزید چشموں کو جاری و ساری کر کے اس امام بر حق کی مدح کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے چونکہ یہ کلام معصوم ہے جو ظلم و جور کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چراغ ہدایت اور شمع راہ کا کام کرتا ہے۔اسلام کے دامن میں اس خاندان کے علاوہ کسی اور کے پاس یہ فضیلتیں نہیں دکھائی دیتیں نفس کی طہارت، روح کی بالیدگی، اعمال کا اخلاص، علم و حکمت کا دریا، فکر و عقل کا سمندر، تدبر و تفکر کا بحر متلاطم ہمیں اور کہاں مل سکتا ہے. اس کا سبب یہ ہے کہ اس خاندان کی فرد فرد نے اس سے علم و حکمت حاصل کیا ہے جو وحی الٰہی سے متصل تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی پیروی انسان کو مومن بناتی ہے اور ان سے تمسک انسانی کمال کا باعث بنتا ہے. ان سے وابستگی خدا سے قریب کرتی ہے اور ان کے وسیلے سے رحمت باری تعالیٰ حاصل ہوتی ہے.

۱۔ تحف العقول بن آل الرسول۔ ص ر ۴۰۲۔

گلشن سے خوشے چینی کی اجازت نہیں دیتی ورنہ ہم علم و حکمت کے مزید چشموں کو جاری وساری کر کے اس امام بر حق کی مدح کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے چونکہ یہ کلام معصوم ہے جو ظلم وجور کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چراغ ہدایت اور شمع راہ کا کام کرتا ہے۔ اسلام کے دامن میں اس خاندان کے علاوہ کسی اور کے پاس یہ فضیلتیں نہیں دکھائی دیتیں ، نفس کی طہارت ، روح کی بالیدگی ، اعمال کا اخلاص ، علم و حکمت کا دریا ، فکر و عقل کا سمندر ، تدبر و تفکر کا بحر متلاطم ہمیں اور کہاں مل سکتا ہے .اس کا سبب یہ ہے کہ اس خاندان کی فرد فرد نے اس سے علم و حکمت حاصل کیا ہے جو وحی الٰہی سے متصل تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی پیروی انسان کو مومن بناتی ہے اور ان سے تمسک انسانی کمال کا باعث بنتا ہے. ان سے وابستگی خدا سے قریب کرتی ہے اور ان کے وسیلے سے رحمت باری تعالی حاصل ہوتی ہے۔

❑ د : امام کے چند زرین تربیتی اقوال

یہ اس بحر علم و حکمت کے دوسرے لعل و گہر ہیں جو عرفاء کے لئے قندیل راہ اور طالبان ہدایت کے لئے مشعل راہ کا کام کریں گے ۔ یہ وہ معارف ہیں جو قوموں کی تربیت اور ملتوں کی پرورش کے ضامن ہیں .یہ ہدایت کے چشمے امام مسلمین .ہادی عالمین قیدی امام شہید موسی کاظم علیہ السلام کے گہر بار دہن اطہر سے پھوٹے ہیں .ارشاد فرمایا : جو خدا کے بارے میں عقل سے کام لے اسے چاہئے کہ

خدا کو رزق عطا کرنے میں سست اور مقدرات کے سلسلے میں کوتاہ خیال نہ کرے۔

آپ سے یقین کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا: خدا پر بھروسہ کیا جائے اور اس کے سامنے تسلیم ہوا جائے. اس کے فیصلوں سے راضی رہتے ہوئے تمام امور کو خدا کے حوالے کردیا جائے. "جس نے خدا کے سلسلے میں گفتگو کی وہ پاک ہوگیا (یعنی خدا کی ذات میں بحث کی یا اسکی ذات کی حقیقت کو جاننا چاہا وہ ہلاک ہوگیا) اور جس نے ریاست و منصب طلب کیا یا جس کے اندر عجب و خود پسندی آگئی وہ ہلاک ہوگیا۔ "اچھے پڑوسی کی علامت یہ نہیں ہے کہ اسکی جانب سے آنے والی مشکلات سے منہ موڑلے بلکہ اچھا پڑوسی وہ ہے جو ان مشکلات میں صبر سے کام لے"

اپنے ایک فرزند سے ارشاد فرمایا: "اے میرے بیٹے اس چیز سے. بچو کہ خدا تمھیں اس گناہ میں مبتلاء دیکھے جس سے تمہیں اس نے روکا ہے یا اس اطاعت کی حالت میں تمھیں نہ پائے جس کا تمھیں حکم دیا ہے. تمہارا ہمیشہ کوشش میں لگے رہنا ضروری ہے تم اپنے نفس کو خدا کی عبادت و اطاعت میں کوتاہی کرنے سے بچاکر رکھو، چوں کہ خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ تم مزاح سے پرہیز کرو چوں کہ اس سے تمہارے ایمان کا نور چلا جاتا ہے اور مروت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ تم خود کو بے قراری اور سستی سے محفوظ رکھو کیوں کہ یہ دونوں دنیا و آخرت کے تمہارے نصیب کو تم سے روک دیتے ہیں" آپ نے

زیاد ابن ابو سلمہ سے ارشاد فرمایا: جو ظالم حکام کی جانب سے حاصل ہونے والے عہدے کے سلسلے میں اجازت طلب کر رہا تھا "اے زیاد! اگر میں بلند چوٹی سے نیچے گر پڑوں اور میرے ٹکڑے ٹکرے ہو جائیں تو یہ چیز مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان لوگوں کی جانب سے عہدہ اختیار کروں یا ان میں سے کسی فرد کے لئے فرش بچھاؤں" (۱)

"جب ظلم حق سے زیادہ غالب ہو تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے بارے میں حسن ظن کرے جبتک کہ اس کو اچھی طرح پہچان نہ لے"

"کوشش کرکے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کرو: ایک حصہ خدا کی مناجات میں بسر کرو، ایک حصہ اپنے معاش میں گذارو، ایک حصہ ان برادران و بزرگان دین کے ہمراہ گذارو جو تمہارے عیوب کو تمھیں بتائیں اور تمہارے باطن کو خلوص سے پر کردیں اور چوتھا حصہ حلال لذات میں بسر کرو کہ اس کے باعث گذشتہ تین حصوں پر تمھیں قدرت حاصل ہوجائیگی. تم اپنے نفس کو فقر و تنگی اور طول عمر کی ہوس سے محفوظ رکھو کیوں کہ جو فقر و تنگی کی فکر میں پڑتا ہے وہ کنجوس ہوجاتا ہے اور جو طول عمر کی تمنا کرتا ہے حرص و طمع میں گھر جاتا ہے۔ اپنے نفسوں کو اس مقدار میں دنیا کے نصیب سے آشنا کرو جو تمھارے لئے حلال قرار دیا گیا ہو یا جو مروت کے لئے مفید ہوا اور جس میں اسراف نہ ہو، ان چیزوں کے ذریعے دینی امور میں اپنے نفس کی مدد کرو کیونکہ روایت میں ہے

۱۔ الائمۃ الاثنا عشر، ص۔/ ۱۸۷

کہ "وہ ہم میں سے نہیں ہے جو دین کی خاطر دنیا کو چھوڑ دے یا دنیا کے لئے دین کو چھوڑ دے"

"ظلم کی شدت کو فقط وہ سمجھ سکتا ہے جو ظلم کا شکار بنا ہو"

"مصیبت صبر کرنے والے کے لئے ایک ہی رہتی ہے مگر گریہ کرنے اور شکایت کرنے والے کے لئے دوگنی ہوجاتی ہے"

"لوگوں کے ساتھ نیکی کرو اور نیک بات کہو لیکن " امّعہ " نہ بنو راوی نے پوچھا: " امّعہ " کیا ہے، ارشاد فرمایا: نہ کہو کہ میں لوگوں کے ہمراہ ہوں یا لوگوں میں سے ایک ہوں ۔ رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اے لوگو، بلاشبہ دو راستوں میں ایک خیر کا اور دوسرا شر کا ہے۔ لیکن خبردار شر کا راستہ تمہیں خیر کے راستے سے زیادہ پسند نہیں ہونا چاہیئے[1]

یہ خاندان وحی و عصمت کے نویں چشم و چراغ کے ہدایت افروز کلمات تھے جنکو ہم نے روشن اور واضح ہونے کے باعث بغیر شرح کے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ نورانی کلمات ہمیں ائمہ اطہار علیہم السلام کے سلسلے میں مزید غور و خوض کا موقع فراہم کرتے ہیں کیوں کہ یہ وہ کلمات ہیں جو فقہ اخلاق و کردار کی بالیدگی کے ہمراہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان ذوات مقدسہ کو اپنا رہبر قرار دیا ہے " اولئک الذین ہدی اللّٰہ فبہدا ھم اقتدہ " (یہ وہ افراد ہیں جنکی خدا نے ہدایت فرمائی ہے لہذا ان کے ہدایت آمیز اقوال کی پیروی کرو)۔

۱۔ یہ تمام روایات " تحف العقول " سے ماخوذ ہیں۔

عہد امام سیاسی و سماجی حالات

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اموی دور کے آخری ایام میں ولادت ہوئی تھی. آپ کا سن مبارک پانچ سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اموی حکومت ختم ہوگئی. یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ سیاسی و اجتماعی اصلاح کے شدت سے منتظر تھے۔ عوام الناس اس ظالم حکومت کی دہشت سے مرعوب تھے۔ بنی امیہ کے حکمرانوں کے ہاتھ فقط عوام الناس کے خون سے رنگین نہ تھے بلکہ بنی ہاشم اور شیعوں بالخصوص فرزندان علی و فاطمہ علیہ السلام کے خون سے بھی سرخ تھے۔ لوگ اس ظالم و جابر خاندان کے ظلم و تشدد سے بخوبی آشنا تھے۔ اس بے رحم سلسلۂ حکومت کا بدترین کا حادثہ جو واقعہ کربلا کی شکل میں رونما ہوا تھا، اب بھی لوگوں کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا.

جس میں حضرت علی علیہ السلام کے فرزند ارجمند امام حسین علیہ السلام کو ان کے خاندان اور اصحاب کے ہمراہ اموی حاکم یزید بن معاویہ نے ۶۱ ہجری کے محرم کی دسویں تاریخ کو اس المناک انداز میں شہید کیا تھا کہ جس کا جواب تاریخ پیش

کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے علاوہ واقعہ طف کو جس میں ۱۲۱ ہجری کے ماہ صفر میں زید بن علی علیہ السلام کو ہشام بن عبدالملک نے بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا، لوگ یاد کر کے کانپ جاتے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی نے ۳۴ شہداء کے نام لکھے ہیں جو خاندان ابو طالب میں سے تھے اور بنی امیہ کے حکام نے انہیں شہید کیا تھا۔ اس نے اس سلسلے کو امام حسنؑ و امام حسینؑ۔ جو سردار جوانان جنت ہیں سے شروع کر کے آخر تک ذکر کیا ہے جن کے ظالمین کی فہرست معاویہ بن سفیان سے شروع ہو کر بنی امیہ کے آخری خلیفہ تک پہنچتی ہے۔

یہ سارے شہداء حضرت علیؑ، جعفر، عقیل، امام حسنؑ، امام حسینؑ حضرت فاطمہ زہراء علیہم السلام کے فرزند تھے۔ یہ وہ افراد ہیں جن کے فضائل زبان زد خاص و عام تھے۔ ان کا جرم فقط یہ تھا کہ یہ ظلم و استبداد کے آگے سر جھکانے پر راضی نہیں تھے۔ جنھوں نے اسلام کے پرچم اور اس کی وحدانیت کی خاطر بے دینی اور منافقت کے خلاف نعرۂ احتجاج بلند کیا تھا۔ جنھوں نے حق و حقانیت کی سرافرازی کے لئے کفر و نفاق کے چہرے سے نقاب الٹ کر امت مسلمہ کو ان کی حقیقی شکلوں سے روشناس کرایا تھا۔ بعد میں ابو الفرج اصفہانی نے "مقاتل الطالبین" میں لکھا ہے کہ ۲۳ فرزندان ابو طالب کو بنی عباس کے ظالموں نے درجہ شہادت پر فائز کیا۔ جن میں سے مشہور محمد بن عبداللہ بن امام حسن علیہ السلام (معروف بہ نفس زکیہ۔ (شہادت ۱۴۵ھ)

حسن بن علی بن امام حسن علیہ السلام (معروف بہ شہید فخ۔ شہادت ۸ ذی الحجہ ۱۶۹ھ۔ آپ کی شہادت عباسی حکمران موسی ہادی بن ابو جعفر منصور کے ہاتھوں مکہ مکرمہ کے قریب فخ نامی کے پاس واقع ہوئی تھی) اور سید اہل بیت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام (شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ جنہیں ہارون رشید کے ہاتھوں سے شہادت نصیب ہوئی وغیرہ ہیں. لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ادوار (بنی امیہ و بنی عباس) کے شہداء کی حقیقی تعداد کو شمار کرکے ضبط تحریر میں لانا کسی تاریخ نویس کے امکان میں نہیں ہے.

امام کاظم علیہ السلام کی حیات طیبہ کازمانہ گرچہ بنی عباس کے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا مگر اہل بیتؑ کے لئے بہت سخت اور مشکل زمانہ تھا. بنی عباس نے حضرت علی علیہ السلام کی ذریت اور آنحضرتؐ کے پیرو افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈھ کر جلا وطن کردیا تھا۔ وہ اس چیز سے خوفزدہ تھے کہ کہیں یہ سب متحد ہوکر اس خاندان ظلم و جور کے خلاف قیام نہ کردیں. کیوں کہ اہل بیتؑ اور بنی ہاشم کا اس وقت تک لوگوں کے دلوں پر قبضہ باقی تھا۔ اسی وجہ سے یہ زمانہ حادثات وواقعات کے اعتبار سے بہت اہم ہے. اس دور میں قید و بند، سختیاں، فردی و اجتماعی قتل وغیرہ بنی ہاشم اور ان کے چاہنے والوں کے لئے ایک عادی فعل ہوگیا تھا.

یہی وجہ ہے کہ یہ دور حکومت سیاسی اعتبار سے بہت تاریک اور ظلم و ستم سے پر شمار کیا جاتا ہے. یہ حکومت شہنشاہی و دوراثتی و ڈکٹیٹر شپ کی حکومت تھی. اس

کا سبب یہ تھا کہ شہنشاہیت کے حاکمانہ طمطراق اور تاناشاہی کا ہر طرف بول بالا تھا۔ خلیفہ بنی عباس کی نگاہ میں حکومت سب کچھ تھی عدالت اجتماعی، اسلامی اقدار، احکام شریعت، اصلاح معاشرہ، اسلامی امت کی اصلاح کی کوئی اہمیت و وقعیت نہ تھی. اقتدار و کرسی کی ہوسرانی نے ان سب کو اندھا بنا دیا تھا. نتیجے میں بے حیائی لہو و لعب، موسیقی و طرب وغیرہ کو خوب عروج حاصل ہوا۔ دربار سے لیکر خلفاء و امراء و حکام و وزراء و حاشیہ نشینوں کے محلوں تک فراری اور مجرم دکھائی دیتے تھے اس کے علاوہ لہو لعب کے سامان، گانے بجانے والے افراد، موسیقی کے استاد، چاپلوس و متملق شعراء اور درھم و دینار کے لالچی افراد سے دربار بھرا ہوا نظر آتا تھا۔ حکام اقسام و انواع کی کنیزوں[1] زر و جواہرات کی چمک دمک، مشک و عطر کی خوشبوؤں، لباس، کھیل، لذات وغیرہ کی مختلف قسموں اور نئے نئے محلوں کی تعمیر کی فکر میں غرق رہتے تھے۔ جسکی قیمت عوام الناس یا زندان میں زندگی گزارنے والے افراد کی دولت سے ادا کی جاتی تھی۔

یہ اس زمانے کے سیاسی و اجتماعی حالات تھے۔ لیکن علمی اعتبار سے یہ دور

۱۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ہارون رشید کی موت کے وقت اس کے پاس دس ارب دینار تھے۔ جسمیں سے اکثر قیمتی جواہرات و نایاب اشیاء تھیں۔ دو ہزار کنیزیں تھیں جن میں ایک ایسی کنیز بھی تھی جس کی قیمت پندرہ لاکھ درھم تھی۔ اسی طرح سے اس کی زوجہ زبیدہ بھی امت اور فقراء کا مال ہڑپ کرنے میں ماہر تھی۔ وہ فقط زر و زیور جواہر سے بنے ہوئے لباس زیب تن کرتی تھی۔ اس نے دس لاکھ سے زائد دینار فقط اس مسند کو تیار کرنے کے لئے صرف کیے تھے جو ریشمی دھاگوں سے بنا ہوا تھا اور اس پر سونے اور سرخ یاقوت سے مختلف پرندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں.

اسلامی معاشرے کا علم و ادب و ثقافت کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں علوم و معارف ، آداب ، فن و حرفہ اور انکشافات کو غیر معمولی ترقی ملی تھی۔ اسی طرح دینی تعلیمات کے مختلف فرقوں اور فلسفی، کلامی و فقہی مسلکوں کو بھی رواج ملا تھا۔ ان سب کا مثبت اثر ہونے کے ساتھ ساتھ منفی اثر بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ امت مسلمہ میں اختلاف اور مختلف فرقوں کے وجود میں آنے کی شکل میں ظاہر ہوا اسی طرح سے شک، الحاد، نفاق، حیلہ گری، وغیرہ کو بھی فروغ ملا۔

لیکن ان سب سے بعض مثبت پہلو بھی سامنے آئے جسطرح سے فکری طور پر امت مسلمہ کا ترقی کرنا، عقلی میدان میں سب سے آگے نکل جانا، انکشافات کی دنیا میں قدم رکھنا ، اسلامی تعلیمات کا پھیلنا وغیرہ اسلام کے حق میں مفید ثابت ہوا۔

امام کاظم علیہ السلام کے لئے اپنے پدر بزرگوار امام صادق علیہ السلام کی مانند سیاسی، عقائدی ، اخلاقی اور اجتماعی انحرافات کا مقابلہ کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ جس کی پشت پناہی عباسی حکومت کررہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود کہ امام کاظم علیہ السلام کا زمانہ امام صادق علیہم السلام کے زمانے سے سیاسی تشدد اور سختیوں کے اعتبار سے زیادہ سخت اور دشوار تھا۔ اور امام کاظم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا اکثر وقت قید بند کی مشکلات میں گزرا تھا، آپ نے اس عظیم ذمہ داری کو حسن و خوبی سے انجام دیا۔ آپ نے جید علماء ، راویان ، اور محدثین کی پرورش و تربیت کی۔ جنھوں نے ان فلسفی، عقائدی اور کلامی انحرافات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہوں نے

فقہی اور تشریعی گمراہیوں کی بھی اصلاح کی. امام علیہ السلام اگرچہ قید خانے میں تھے مگر ان افراد سے مستقل رابطہ قائم رکھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بعض علماء اور اصحاب اور شاگرد آپ سے زندان میں پوشیدہ طور پر ملاقات کرتے تھے۔ اور آپ سے جدید مسائل اور مشکلات کا حل معلوم کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ امامت کی ان سیاسی مشکلات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے والد امام صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد ۳۵ سالہ دورۂ امامت مین جو ۲۰ سال کی عمر شریف سے شروع ہوا تھا، اپنی شہادت تک مسلسل ان عقائدی و نظریاتی حملوں کا جواب دیا ہے. اگرچہ اپنے والد ماجد امام صادق علیہ السلام اور امام محمد باقرؑ کے مقابلے یں آپ کی احادیث اور علمی جدو جہد کم نظر آتی ہے مگر اپنے وقت کے اعتبار سے یہ بھی بہت اہمیت کی حامل ہے.

چونکہ ان دو بزرگ اماموں کو علم و معارف زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہچانے کا وقت مل گیا تھا مگر امام کاظم علیہ السلام کا اکثر وقت اس سیاسی جدو جہد اور دفاع کی نذر ہوگیا جو آپ کو مسلمانوں کے نام نہاد خلفاء کی جانب سے قید خانوں میں انجام دینا پڑا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی جناب آدم علیہ السلام سے لیکر اس کائنات کے آخری ہادی تک یہ روش جاری ہے کہ ہر ہدایت و اصلاح کرنے والے اور خدا کے نمائندے نے سختیوں اور مصائب کو برداشت کیاہے. حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور انسانیت و شیطنت کے درمیان جنگ ہر زمانے میں رہی ہے۔ لیکن تاریخ بشریت گواہ ہے کہ ہمیشہ حق کو باطل پر، ہدایت کو ضلالت پر اور انسانیت

کو شیطنت پر فتح و ظفر حاصل ہوئی ہے۔ کیوں کہ یہ وہ امر ہے جو عین مشیت پروردگار ہے۔ خداوند عالم نے ہمیشہ پاک نفوس کو خبیث اور نجس افراد پر کامیابی و کامرانی عطا کی ہے۔ اس کا مشاہدہ ایک تاریخ کا معمولی سا طالبعلم بھی بخوبی کر سکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ابتدائے اسلام میں بھی اس الٰہی دین کی نشر و اشاعت کی خاطر پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ آپ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات بھی اس مقدس دین کے لئے تلخیوں میں گذرے ہیں۔ آنحضرتؐ کے بعد اہل بیت اطہار علیہم السلام اور ان کے شیعوں کو بھی ان شکنجوں اور قید و بند کو برداشت کرنا پڑا جو ایک عام انسان کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا تاریخ ساز سیاسی موقف، احکام الٰہی اور شریعت اسلامی کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان سخت ترین ادوار میں امام علیہ السلام کو منصور، مہدی، ہادی اور رشید جیسے سفاک اور ظالم حکمرانوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ درباری مورخین نے ان حقائق کو چھپانے کی خاطر ظلم و جور سے پر حکومتوں کو عظیم اور مقدس صفات سے متصف کر کے آئندہ نسلوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان سلاطین جور کے قلم صفحۂ تاریخ سے حق کی آواز کو مٹانے اور ظلم و تشدد کے خلاف بلند ہونے والے ہر نعرے کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو ان حق کا مطالبہ کرنے والے نیک خو افراد کو باغی اور خارجی کا نام دیکر زر خرید تاریخ نویسوں نے

ان شخصیتوں کو مجروح کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ ایسی بے پناہ مثالیں بنی عباس بالخصوص ہارون رشید کے زمانے کے مؤرخین کی کتابوں میں مل جاتی ہیں جس طرح سے اس سیاہ دور کو بعض درباری قلموں نے سنہری دور لکھا ہے۔

یہ درست ہے کہ اس زمانے میں علوم و معارف کو علماء ادباء، مفکرین، فقہاء، فلاسفہ وغیرہ نے فروغ عطا کیا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلطنت بنی عباس نے ظلم و ستم کو اسکی آخری حد تک پہنچا دیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ۔ اہل بیت اطہارؑ اور ان کے پیرو علماء کی زندگیاں سختی اور تنگی میں گزر رہی تھیں جب کہ بے دین کنیزیں، گانے بجانے والے چاپلوس درباری، لا مذہب شعراء، زر خرید قاضی اور ان کے جیسے افراد امت مسلمہ کے بیت المال اور ان کی دولت سے مختلف قسم کی آسائشوں سے رنگ رلیاں منا رہے تھے۔

تاریخ کو انسانی اقدار کے احترام، عدل و انصاف کی رعایت اور حکام و عوام کے تعلقات وغیرہ کے وزن پر دیکھا جاتا ہے۔ اسے کبھی بھی مادی اور دولت و اقتدار کے عنوان سے نہیں دیکھا جاتا۔ کیوں کہ یہ چیزیں وقتی ہوتی ہیں اور حکومتوں کے ہمراہ بدلتی رہتی ہیں۔

امام کاظم علیہ السلام نے اس وحشت ناک دور کو ۱۴۸ھ سے ۱۸۳ھ تک کس انداز میں گزارا اس کو ہم مختصر طور پر یہاں بیان کریں گے۔

الف: امام کاظمؑ اور خلیفہ منصور

منصور دوانیقی کے ۲۲ سالہ دور حکومت میں شیعوں نے سخت سے سخت تر مشکلات کو برداشت کیا ہے ظلم قتل عام، اذیتوں وغیرہ کا بازار اس زمانے میں بہت گرم تھا۔ امام کاظم علیہ السلام بخوبی واقف تھے کہ مسلحانہ قیام اس سفاک حکمراں کے مقابلے میں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگا لہذا آپ نے اپنی اصلاحی جنگ کو پوشیدہ رکھا اور عرصہ دراز تک فقط امت اسلامی کی ہدایت فرماتے رہے۔ منصور دوانقی نے شیعوں کے اموال کو ضبط کرکے انہیں زندانوں میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیا تھا ہر گوشہ و کنار سے شیعوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یا تو انہیں شہربدر کردیا جاتا تھا یہ پھر ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔ اس نے شکنجوں کے لئے نئے طریقے ڈھونڈھ کر ان کو اذیتیں پہنچائی تھیں ..... بعض اوقات وہ شیعوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیتا تھا۔ کبھی کبھی کھانا اور پانی بند کرکے ان کو بھوک و پیاس سے ہلاک ہوجانے پر مجبور کردیتا تھا۔ تاریک اور بوسیدہ، قید خانوں میں ان کو تازیانوں اور کوڑوں سے اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ جان بحق تسلیم ہوجاتے تھے۔ امام کاظم علیہ السلام کی امامت کا تقریبا دس سال اس جلاد صفت حاکم) کے دور حکومت میں گزرا ہے۔ البتہ تاریخ میں یہ نہیں ملتا کہ آپ کو اس نے زندان میں رکھا ہو مگر آپ کو خانہ قید اور جاسوسوں کی سخت و تیز نگاہوں کے حصار میں ہمیشہ رہنا پڑا۔ یہاں تک کہ ۱۵۸ھ میں اس کی موت واقع ہوئی اور اس کا لڑکا محمد مہدی بر سر اقتدار آیا۔

ب: امامؑ اور خلیفہ مہدی

۱۵۸ھ میں منصور دوانیقی کے ظلم و جور سے پر دور کے اختتام کا لوگوں نے بڑے پر جوش انداز سے استقبال کیا۔ بنی عباس کے وراثتی نظام کے اعتبار سے اس کے بعد اس کا لڑکا محمد مہدی مسند خلافت پر بیٹھا چونکہ اس نے اپنے باپ کے زمانے میں ظلم و جور کا گرم بازار اور اس کے منفی اثرات کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا اس وجہ سے اس نے اس پر تشدد دور کے خاتمے کے لئے تمام اسیروں کو آزاد کر دیا اور ضبط شدہ مال کو انہیں واپس کر دیا۔ ان اموال مین امام صادق علیہ السلام کا ضبط شدہ مال بھی ان کے فرزند ارجمند امام کاظم علیہ السلام کو واپس کر دیا۔

۳ ذی الحجہ ۱۵۸ھ سے لیکر ۲۲ محرم ۱۶۹ھ تک کا یہ عرصہ امام علیہ السلام اور شیعوں کے لئے بنی عباس کی سلطنت کا سب سے آسودہ دور تھا۔ مگر اس زمانے میں بھی۔۔ امام کاظمؑ کی شخصیت اور شیعوں کی آپ سے محبت و پیروی خلیفہ مہدی کی نگاہوں میں کھٹکتی رہتی تھی۔۔۔ وہ ہمیشہ آپ کے قیام اور امت مسلمہ کی جانب سے آپ کی حمایت سے خوفزدہ رہتا تھا۔۔ اس وجہ سے اس نے اپنے والی مدینہ سے مطالبہ کیا کہ آنحضرتؑ کو بغداد بھیجے تاکہ آپ کو وہاں زندان میں رکھکر پوری طرح آپ پر نگاہ رکھ سکے۔ مدینے کے حاکم نے آپ کو مدینہ چھوڑنے اور بغداد جاکر خلیفہ مہدی کے سامنے حاضر ہونے پر مجبور کر دیا۔ امام علیہ السلام نے رخت سفر باندھا آپ کی نگاہوں میں اس مظلوم قیدی کی کیفیت گھوم رہی تھی

جو بے آب و گیاہ صحرا میں بھوکا پیاسا سفر کر رہا ہو۔ جب آپ کی سواری نے سفر شروع کیا تو شیعوں اور چاہنے والوں کے خوفزدہ اور حسراسان قلوب بھی آپ کی ہمراہی کر رہے تھے ۔ لیکن امام علیہ السلام کو اتنا بھروسہ تھا کہ مہدی عباسی آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اس بات کو آپ نے اپنے ایک خاص صحابی سے کہا تھا۔ جب امام کاظم علیہ السلام بغداد پہنچے تو مہدی نے آپ کو گرفتار کر کے قید جانے میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ لیکن خداوند کریم کی رحمت ظالموں کے مکر و فریب سے کہیں بلند و بالا ہے اور اس کا اپنے اولیاء کی حفاظت کرنا دشمنوں کی دسترسی سے کہیں زیادہ محکم اور وسیع ہے۔ امام کاظم علیہ السلام کے سلسلے میں ایک غیبی کرامت رونما ہوئی۔ امام علیہ السلام کو گرفتار کر کے قید کر لینے کے بعد مہدی عباسی نے خواب میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا جو فرما رہے ہیں: "اے محمد! کیا یہ بات مناسب ہے کہ جب تم ولی و حاکم بنو تو زمین پر فساد کرو (صلہ رحم کی جگہ) قطع رحم کرو" یہ سنکر مہدی بہت رویا اور خوفزدہ ہوکر فورا بستر سے اٹھا اور والی زندان ربیع کو حکم دیا کہ امام کاظم علیہ السلام کی زنجیروں کو کھولکر آپ کو آزاد کردے۔ اس طرح سے امام علیہ السلام دوبارہ اپنے جد امجد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی بارگاہ میں مدینہ منورہ پہنچ گئے اور دوبارہ امت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

ج: امامؑ اور خلیفہ عباسی موسیٰ ہادی

خلیفہ ہادی کا دور بھی شیعوں کی تاریخ میں دہشت اور سختیوں کا زمانہ تھا۔ اس نے اپنے اجداد کی سیرت کو شیعوں سے دشمنی کے سلسلے میں برقرار رکھا تھا۔ اس دور کے ظلم و تشدد اس قیام کا باعث بنے تھے جو امام کاظم علیہ السلام کے زمانے میں ۱۶۹ھ میں حسین بن علی صاحب فخ کی قیادت میں شروع ہوا تھا۔ تاریخی اہمیت کے باعث اس واقعے کو ہم مختصراً بیان کریں گے تا کہ اہل بیتؑ اور ان کے دشمنوں کے درمیان اساسی فرق اور امام علیہ السلام کی اپنے زمانے میں وقعت و اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ ہر دور کے مسلمان کے لئے ایک سبق ہے اور پرچم جہاد کا بلند کرنا اور شہادت طلبی کی راہ ہموار کرنا بھی اس کے اثرات میں شامل ہیں

ا۔ آسمان تاریخ کا ستارہ "فخ"

اسلامی تاریخ میں "فخ" اس پر نور و پر فیض ستارے کا نام ہے جس نے اپنے نور سے متعدد شخصیات اور مقامات کو روشن کیا ہے۔ اس واقعے نے امت مسلمہ کی رگوں میں وہ خون دوڑا دیا تھا جو ظلم و جور کے خلاف ہمیشہ احتجاج بلند کرتا رہے گا۔ اس خونی قیام کے رہبر خاندان علوی کے حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہما السلام تھے جو کہ خاندان عصمت و طہارت کے پروردہ تھے۔ "فخ" بھی کربلاء اور بدر کی مانند آسمان فضیلت اور جہاد میں ایک

مہر تاباں کی مانند چمک رہا ہے۔

اگر واقعہ فخ کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واقعہ تاریخی اور جہادی اعتبار سے واقعہ کربلا کی تکرار محسوس ہوتا ہے۔ اور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی صدائے نصرت کو لبیک کہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس واقعہ میں کربلا کی شیر دل خاتون جناب زینب علیہا السلام ہی کی طرح جناب حسین بن علی بن حسن شہید فخ کی ماں جناب زینب نے وہ تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے کہ جس کے باعث کربلا کی طرح واقعہ فخ بھی آفاقی بن گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل فاتح شام و کوفہ حضرت زینب علیہا السلام نے سفاک اور ظالم دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملہ کہا تھا کہ "... تم پر عذاب ہو، کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسول خداؐ کے کس جگر گوشے کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے؟ تم نے آنحضرتؐ کے بدن کے کس قیمتی جزء کو علیحدہ کردیا ہے؟ آپکے کس خون کو بہایا ہے۔ اور آپ کی کس حرمت کی بے حرمتی کی ہے؟..." تاریخ نے خود کو دوہرایا اور شہید فخ کی ماں جناب زینب بنت عبداللہ بن حسن بن امام حسن بن امام علی بن ابیطالب علیہم السلام نے اپنے جملوں سے قصر شہنشاہیت کو لرزہ بر اندام کردیا۔ وہ خاندان ابو طالب کی بہادر خاتون جس کے باپ، بھائی، چچا، ماموں، اولاد اور شوہر سب کو منصور دوانیقی نے سفاکانہ انداز میں شہید کردیا ہو دلیری کے ساتھ ظالم حاکم کے خلاف آواز احتجاج بلند کرتی رہیں۔ اپنے شہیدوں پر نوحہ و گریہ کرتی رہیں یہاں تک کہ بیہوش ہوگئیں۔ آپ نے ایک دفعہ بھی ابو جعفر منصور کا

نام زبان پر جاری کرنا پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ خدا سے دعا فرماتی رہیں ، " اے زمین و آسمان کے خالق ، اے عالم غیب و شہادت اے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والے ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما کیوں کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"

آپ جب اپنے بیٹوں حسین و حسن کو کمسنی میں جھولا جھلاتی تھیں تو کہتی تھیں ، اے زینب و ہند کے فرزندو کیا تم جانتے ہو۔ تمہارے پاس مدینے کی تمام فضیلتیں موجود ہیں۔ تمہارے ماموں ، اور اجداد فضائل میں بے مثال تھے۔

پھر جب حسین شہید فخ کا وقت آیا تو آپ نے امام حسین علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے علم جہاد و شہادت کو بلند کیا اور جس طرح سے کل کربلا میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی امت کے کردار پر ماتم کیا تھا آج بھی میدان فخ میں آنحضرتؐ کو گریہ کرنا پڑا ..... یہ دونوں واقعے آنحضرتؐ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے لئے سخت رنج و مصائب کا باعث تھے۔ دونوں ہی موقعوں پر آپ نے شدت سے گریہ و بکا کیا تھا۔

شیخ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ کے ص ۸۳ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ ، عروہ نے عائشہ سے نقل کیا ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا واقعہ یہ ہے کہ ، ایک دفعہ امام حسین بن علی علیہما السلام تشریف لائے جبکہ حضرت رسولؐ اسلام پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ آپ آنحضرت کی پشت پر سوار ہو گئے در آنحالیکہ آپ جھکے ہوئے تھے۔ آپ آنحضرت

کی پشت پر کھیلنے لگے۔ جناب جبرئیل نے آنحضرتؐ سے کہا، اے محمدؐ آپ کی امت آپ کے بعد فتنہ و فساد کریگی اور آپ کے اس فرزند کو قتل کر دیگی۔ جبرئیل نے ہاتھ بڑھاکر ایک سفید مٹی اٹھائی اور رسول اسلامؐ کو دیتے ہوئے کہا، اس زمین پر آپ کا بیٹا شہید ہوگا۔ اس زمین کا نام طف ہے۔ جب جبرئیل چلے گئے تو آنحضرتؐ اس تربت کے ہمراہ اپنے اصحاب کے پاس آئے۔ وہاں ابوبکر، عمر، علیؑ، حذیفہ، عمار، ابوذر وغیرہ موجود تھے۔ آپؐ گریہ فرمارہے تھے۔ ان سب نے پوچھا یارسول اللہؐ! آپ کس بات پر گریہ فرمارہے ہیں؟ ارشاد فرمایا، جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ سرزمین طف پر قتل کیا جائیگا[1] اور اس مٹی کو مجھے دیا ہے کہ یہ قبر حسینؑ کی مٹی ہے" اسی واقعے کی مانند حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سرزمین فخ کے لئے بھی گریہ کیا ہے، راویوں نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا،

رسول اسلامؐ نے فخ چلنے کی خواہش کی وہاں پہنچ کر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دوسری رکعت میں در آنحالیکہ آپ ابھی نماز میں مشغول تھے۔ گریہ فرمانا شروع کر دیا۔ جب لوگوں نے آپ کو گریہ کنان دیکھا تو وہ سب بھی رونے لگے۔ جب آپ لوگوں کی طرف گھومے تو تعجب سے پوچھا" تم سب کیوں گریہ کر رہے ہو؟" سب نے کہا، یارسول اللہؐ ہم نے آپ کو گریہ فرماتے دیکھا تو ہم بھی رونے لگے۔

۱۔ تاریخ النیاحۃ علی الامام الشہید الحسین بن علی۔ سید صالح شہرستانی جلد۔ ۲، ص، ۲

آپؑ نے ارشاد فرمایا، جب میں پہلی رکعت میں تھا تو جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور کہا، اے محمدؐ آپ کے نسل کی ایک فرد یہاں پر شہید ہوگی جس کے ساتھ شہید ہونے والے کا اجر دو شہیدوں کے برابر ہوگا۔[۱]

امام جعفر صادقؑ بھی اپنے مدینے سے مکہ کے سفر میں سرزمین فخ پر رکے تھے اور دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ اس موقع پر آپ کی مسافرتوں کی سواری کے مالک نضر بن قرواش نے پوچھا، ہماری جانیں قربان! میں نے دیکھا کہ آپ نے کچھ افعال انجام دیئے۔

آیا یہ ارکان حج میں سے کوئی رکن تھا؟ امامؑ نے جواب دیا نہیں، بلکہ اس جگہ میرے خاندان کی ایک فرد کچھ ساتھیوں کے ہمراہ شہید کی جائیگی۔ ان سب کی روحیں ان کے جسموں سے قبل جنت میں داخل ہوں گی۔[۲]

جناب زید بن امام علیؑ بن امام حسینؑ نے نقل کیا ہے کہ، رسول اسلام صلی اللہ علیہ و سلم نے فخ نامی مقام پر نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا، میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص مومنین کی جماعت کے ہمراہ اس مقام پر شہید کیا جائیگا۔ ان سب کے کفن اور حنوط کی خاطر جنات آئیں گے۔

اور ان کی روحیں ان کے جسموں سے پہلے جنت میں داخل ہونگی"۔[۳]

جب یہ واقعہ رسول اکرمؐ اور اہل بیت اطہارؑ کے لئے باعث رنج و غم تھا

۱و۲۔ مقاتل الطالبین۔ ص ۴۳۶

۳۔ مقاتل الطالبین، ص۔ ۴۳۶۔

جب کہ ان سب نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ اس زمانے کے امام حضرت موسیٰ کاظمؑ کو اس واقعے سے تکلیف اور رنج نہ پہنچا ہو۔ جب کہ آپ نے اس واقعے کا نہ صرف مشاہدہ کیا تھا بلکہ اس کے اثرات کا بھی تحمل کیا تھا۔ یہ وہی اسفناک واقعہ ہے۔

جس کا تذکرہ امام محمد تقی علیہ السلام نے ان لفظوں میں کیا ہے:

"لم یکن لنا بعد الطف مصرع اعظم من فخ"[۱]

(ہمارے لئے واقعہ کربلا کے بعد فخ سے بڑھکر کوئی معرکہ نہیں تھا)

تاریخ بتاتی ہے کہ عباسی خلیفہ ہادی نے، جس کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس واقعے کا ذمہ دار امام کاظمؑ اور خاندان ابو طالب میں سے باقی رہ جانے والے افراد کو ٹھہرایا تھا۔ اس کے باعث در پیش مشکلات کو بھی امام علیہ السلام نے کمال صبر اور سکون قلب کے ساتھ برداشت کیا تھا۔ جو کہ میدانی جنگوں سے زیادہ سخت اور ناقابل تحمل ہوتا ہے۔ یہ خاندان اہل بیتؑ کا وہ طرہ امتیاز ہے جو دیگر مقامات پر دیکھنے میں نہیں آتا۔ ان سب تلخیوں کے باوجود آپ ہدایت بشریت کی عظیم ذمہ داری کو بھی کمال خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے،

یہ وہ صفات ہیں جن کی مثال کائنات میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں مل سکتی۔ رسول اسلامؐ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے: "نحن اہل بیت لا یقاس بنا احد" (ہم وہ اہل بیتؑ ہیں جس سے کسی کا بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا)۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۸ ص ۱۶۵۔

۲۔ قیام فخ میں خون و شہادت کا کردار

خلیفۂ عباسی ہادی اہل بیت اطہارؑ کے قیام اور امت مسلمہ کی حمایت سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا بالخصوص امام کاظم علیہ السلام کی قیادت و رہبری اسے سکون نہیں لینے دیتی تھی. جناب حسین شہید فخ کے قیام و انقلاب کے بعد اسکو شیعوں سے اور زیادہ خطرہ محسوس ہونے لگا. کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس واقعہ کی پشت پناہی خاندان علی علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا جن کے سربراہ امام کاظمؑ تھے اگر کسی ایک کا خون بہاتا تھا تو وہ ہزاروں تازے خون کو قربانی کے لئے آمادہ کر دیتا تھا۔ ایک ستارہ ڈوب کر لا تعداد ستاروں کو جلا بخش دیتا تھا۔ اس خاندان کے لہو کا ایک قطرہ اسلام کی ابدیت کا ضامن بن جاتا تھا اور ظالم و طاغوتی حکومتوں کے گلے کی زنجیر بن کر ان کے حکومتی طمطراق کو مٹی میں ملا دیتا تھا.

جناب حسین شہید فخ نے ۱۶۹ھ کے ذیقعدہ میں اپنے قیام کا آغاز کیا تھا، انہوں نے یہ انقلاب مدینہ منورہ میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی قبر مطہر سے شروع کیا تھا۔ آپ کا عباسی خلیفہ ہادی کے خلاف یہ قیام فخ نامی زمین پر شہادت کے ساتھ اختتام پذیر ہو تھا، واقعہ کربلا کے بعد یہ سب سے روشن انقلاب تھا جسکو اہل البیت علیہم السلام نے بہت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے .یہ ان واقعات میں سے تھا جسکی خبر خود پیغمبر آخر الزمانؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے دی تھی، چونکہ یہ واقعہ امام کاظمؑ کی امامت کے ایام میں واقع ہوا تھا اس وجہ

سے سیاسی اعتبار سے اس کے نتائج اور اثرات امام علیہ السلام پر مرتب ہوئے تھے۔ خاندان بنی ہاشم نے اس واقعے میں اور اس کے بعد بھی مختلف قسم کے مصائب و آلام برداشت کئے۔ وہ سب پہلے ہی سے جانتے تھے کہ اس قیام کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے کیوں کہ روایات و احادیث میں پہلے ہی سے خبریں دی جا چکی تھیں۔ جناب حسین شہید فخ سے اہل بیتؑ پر ہونے والے ظلم و جور پر خاموش رہنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب آپ امام کاظم علیہ السلام کی خدمت میں وارد ہوئے تو آپ نے آئندہ کی تمام خبریں دینے کے بعد آپ کو اس طرح رخصت کیا تھا کہ اب آئندہ ملاقات نہیں ہوگی سفر مکہ کے وقت آپ نے جناب حسینؑ سے ارشاد فرمایا تھا، تم قتل کر دیئے جاؤ گے لہذا سخت جنگ کرنا، بلاشبہ یہ قوم فاسق ہے جب کہ ایمان کا اظہار کرتی ہے ان کے دلوں میں نفاق و شرک پوشیدہ ہے۔ بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی جانب ہماری بازگشت ہے۔ اور خدا کے نزدیک میں تم سب کو اپنا خاص شیعہ شمار کرتا ہوں۔

تاریخ نے اس قیام کے اسباب اور اس کے نتائج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہم اس کو مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں:

جناب حسینؑ بن علی شہید فخ کے خروج اور قیام کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ عباسی ہادی نے مدینہ منورہ کا والی اسحاق بن عیسیٰ بن علی کو بنایا تھا جس نے مدینے سے سفر کے وقت عبدالعزیز بن عبداللہ عمر[1]۔ کو اپنا جانشین بنایا اور

---

[1] تاریخ طبری میں ہے کہ اسحاق بن عیسیٰ بن علی والی مدینہ تھا۔ جب مہدی عباسی کا انتقال ہوا تو ہادی ***

سفر پر چلا گیا۔ اس شخص نے اولاد ابو طالب پر حملہ کرکے ان کو سخت تکلیفیں پہنچائیں، اس نے ان پر شدید ظلم کیے اور ان کو ہر روز مال و دولت لاکر دینے کا حکم دیا۔ یہ سب اپنے اپنے گھروں میں مقید کردیئے گئے تھے۔ اور ہر ایک دوسرے کا ضامن اور کفیل بنا تھا۔ حسین بن علی اور یحیی بن عبداللہ بن حسن کے حسن بن محمد بن عبداللہ بن حسن ضامن بنے تھے۔ یہاں تک کہ حج کا زمانہ قریب آیا اور ــــــ تقریباً ۷۰ شیعہ حج کے لئے آئے ۔ یہ سب بقیع میں ابن افلح کے گھر رکے۔ جہاں حسین سے ملاقات ہوئی اسکو جب عبد عزیز عمری نے سنا تو سخت متحیر ہوا۔ وہ اس سے قبل حسن بن محمد بن عبداللہ، ابن جندب ہذلی شاعر اور عمر بن خطاب کے غلام [1] کو ایک جگہ جمع دیکھکر گرفتار کر چکا تھا۔ اور یہ مشہور کر دیا تھا کہ یہ سب شراب پی رہے تھے۔ اس نے حسن کو ۸۰ کوڑے، ابن جندب کو ۱۵ کوڑے اور غلام کو کو ۷۰ کوڑے مارے تھے۔ اور یہ حکم دیا تھا کہ انہیں برہنہ پیٹھ پورے مدینے میں گھمایا جائے، تاکہ پورے مدینے میں ان کی فضیحت ہو [2].

۱۶۹ھ۔ اسکی جگہ خلیفہ بنا۔ اس موقع پر اسحاق نے ہادی سے ملاقات کے لئے بغداد کا سفر کیا۔ قبل از سفر اس نے مدینے میں اپنا جانشین عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو بنایا۔ لیکن لفضل بن اسحاق ہاشمی نے لکھا ہے کہ اسحاق بن عیسی بن علی نے ہادی خلیفہ عباسی کو مدینہ کی حکومت سے استعفیٰ دیا اور اس سے بغداد آجانے کی اجازت طلب کی۔ موسیٰ ہادی نے استعفیٰ قبول کرکے اسکی جگہ عمر بن عبدالعزیز کو مدینے کا والی بنا دیا۔

۱۔ طبری میں ہے کہ عمر بن سلام جو آل عمر کا مقدم تھا اسے گرفتار کیا اور یہی صحیح بھی ہے۔

۲۔ مقاتل الطالبین۔ ص / ۳۴۸۔

لیکن بعد میں وہ اس کام سے منصرف ہوگیا. لیکن اس نے آل ابو طالب پر سختیوں کو اور بڑھادیا اور ان پر ابو بکر بن عیسی نامی نساج کو معین کر دیا جس نے مزید ظلم اس خاندان پر ڈھائے. یہاں تک کہ ان سب کو جمعہ کے دن مسجد میں قید کر دیا اور فقط وضو کرنے کے لے مسجد سے باہر آنے کی اجازت دے رکھی تھی. پھر نماز جمعہ کے بعد ان سب کو عصر تک ان کے گھروں میں مقید رکھا. پھر حسن بن محمد کو بلوایا لیکن وہ تین دن تک ابو بکر بن عیسی کے سامنے نہیں پہنچے. چوں کہ علی بن حسین اور یحیی بن عبداللہ حسن کے ضامن تھے لھذا ان دونوں سے کہا گیا کہ حسن کو حاضر کرو ورنہ تم دونوں قید کر لئے جاو گے.

اس کے لئے یحیی اور ابو بکر میں زبان درازیاں بھی ہوئیں. یہ پورا قضیہ ابو بکر نے عمری سے نقل کیا. عمری نے یحیی اور حسینؑ کو بلاکر ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا. جسے سنکر یحیی ہنس دیئے اور ان میں اور عمری میں لڑائی ہوئی. آخر میں یحیی نے عمری سے کہا میں حسن کو ڈھونڈھوں گا اگر وہ مل گیا تو تمہارے پاس لیکر حاضر ہو جاوں گا اور اگر نہ ملا تو تمہارا دروازہ کھٹکھٹا کر کہوں گا کہ میں حاضر ہوں مجھے گرفتار کر لو. یہ سنکر بعد میں حسین نے پوچھا: تم حسن کو کیسے حاضر کروگے؟ یحیی نے جواب دیا: میں نے حسن کو اسے دینے کا قصد نہیں کیا ہے بلکہ میں جب عمری کا دروازہ کھٹکھٹاوں گا. تو میرے ہمراہ تلوار ہوگی (تاکہ اسے قتل کر سکوں) اگر ممکن ہوا تو اسے قتل کر دوں گا حسین نے جاکر حسن کو یہ ساری بات بتائی اور کہا: جو کچھ ہمارے اور اس فاسق کے درمیان ہوا ہم نے سنا

دیا اب تمہاری مرضی جو چاہے کرو۔ حسن نے کہا،میں جاکر یحیی کے سامنے خود کو حاضر کردوں گا. لیکن حسین نے روک دیااور کہا، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جس کے باعث خدا مجھے آتش جہنم سے نجات عطا فرمائیگا.

پھر حسینؑ نے تمام بنی ہاشم اور شیعوں کو جمع کیا. خاندان ابو طالب سے ۲۶ اور حاجیوں میں سے دس اور شیعیوں میں سے بعض افراد جمع ہوگئے. یہ سب نماز صبح کے وقت مسجد میں داخل ہوئے عبداللہ بن حسن افس نے مؤذن سے کہا کہ رسول اسلامؐ کے زمانے کی طرح آج اذان میں " حی علی خیر العمل "، کہو. مؤذن نے ڈرتے ڈرتے یہ جملہ اذان میں کہا.اس جملے کا سننا تھا کہ عمری سمجھ گیا کہ شیعوں کا قیام ہوگیا. وہ خوف و ہراس کے باعث حواس باختہ ہوگیا اور بولنے میں گڑ بڑانے لگا کہنے لگا، میرے گھوڑے کے دروازے کو بند کردو اور مجھے ایک دانہ پانی پلاؤ" یہ عبارت اتنی مشہور ہوگئی کہ اسکی اولاد کو لوگ بنی جیتی ماء (یعنی دو دانہ پانی کی اولاد) کہنے لگے.۔ پھر شیعوں نے عمری کے گھر پر حملہ کردیا مگر وہ انقلابیوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا۔ حسین بن علی نے لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھی اور نماز کے بعد خطبہ دیا. حسینؑ کا مدینے پر تسلط قائم ہوگیا یہ ۱۶۹ھ کی بات ہے. پھر آپ حج اور اپنے مشن کی خاطر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے. آپ کے ہمراہ ۳۰۰افراد تھے۔ جب آپ مکہ کے قریب فخ نامی جگہ پہنچے تو وہاں عباسی فوج سے مقابلہ ہوا. چوں کہ مقابلہ نماز صبح کے وقت ہوا اس وجہ سے روشنی کم تھی نتیجے مین جناب حسینؑ کا مختصر سا لشکر مارا گیا. اور آپ خود

شدید زخمی ہوگئے آپ سے دشمنوں نے امان کا وعدہ کر کے، کہا کہ "بخدا قسم تمہیں امان نہیں دیرہے ہیں بلکہ تمہیں تسلیم کررہے ہیں" مگر ان سب نے خیانت کی اور آپ کو مظلومیت کے ساتھ شہید کردیا۔

یہ عظیم واقعہ یہاں پر تمام ہوگیا مگر ۱۰۰ سے زائد انقلابی مسلمانوں کا خون بہہ گیا۔ تاریخ میں ہے کہ جب شہداء کے سر شمار کئے گئے تو وہ ۱۰۳ سے ۱۰۹ کے در میان تھے۔ بقیہ افراد کو اسیر کرلیا گیا۔

۳۔ خلیفہ کا واقعہ فخ کیلئے امامؑ کو ذمہ دار قرار دینا

جب شہداء کے سر موسیٰ اور عباس کے سامنے لائے گئے تو اس وقت امام حسن و امام حسین علیہ السلام کی تمام اولادیں وہاں موجود تھیں۔ ان دونوں نے ان سروں کو دیکھکر امام کاظم علیہ السلام کی جانب رخ کرکے پوچھا: کیا یہ سر حسین کا ہے؟ آپ نے جواب دیا: "ہاں،" انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"۔ خدا کی قسم وہ مسلمان، صالح اور بہت روزہ رکھنے والا شخص تھا جو شہید ہوا،

وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر انجام دینے والا تھا۔ اس کے جیسا شخص اس کے خاندان میں دوسرا نہیں تھا۔

جب اسیروں کو خلیفہ ہادی کے پاس لایا گیا تو اس نے ان سب کے قتل کا حکم دیدیا[1]۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۸ ص ۱۶۵

ان مظلوموں کو فقط شہید ہی نہیں کیا گیا بلکہ مثلہ بھی کیا گیا ہے ۔ عمری، والی مدینہ نے بھی ان بزرگوں کے گھروں کو منہدم کر کے ان کے اموال کو ضبط کر لیا اور ان کے کھیتوں میں آگ لگا دی۔ مورخین رقمطراز ہیں کہ " جب عمری تک مدینے میں یہ خبر پہنچی تو وہ حسین شہید فخ کے گھر آیا اور تمام اموال اور باغ پر قبضہ کر لینے کے بعد ان کا گھر پڑوسیوں کے گھروں کے ہمراہ جلا ڈالا اور ان سب زمینوں کو مجہول المالک مال میں لکھ دیا[۱]۔

ایک دوسری تاریخ میں یوں لکھا ہے: وہ حسین اور ان کے ساتھ جانے والوں کے گھروں کے سامنے کھڑا ہوا اور انکو منہدم کروا دیا۔ اس نے باغوں میں آگ لگوادی اور جو بچ گیا اس پر خود قبضہ کر لیا۔ اور تمام اموال کو مجہول المالک قرار دیا[۲]۔

یہ وہ روش ہے جو ہر زمانے میں ظالم حکومتیں عوام الناس کی ہدایت و رہنمائی کرنے والے افراد کے ساتھ انجام دیتی رہی ہیں۔ جب شہداء کے سر عباسی خلیفہ ہادی کے سامنے پیش کئے گئے، تو اس نے آل ابو طالب سے مزید انتقام لینے کی خاطر امام کاظم علیہ السلام کے قتل کی دھمکی دی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ انقلاب امام کاظم علیہ السلام کی قیادت اور رہبری میں برپا ہوا ہے۔ چونکہ اس قیام کے بانی جناب حسین شہید فخ نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ: "میں تم لوگوں کے ساتھ کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ پر بیعت کر رہا ہوں تاکہ ہم خدا کی اطاعت کریں

۱۔ ۲ مقاتل الطالبین ص ۴۵۵

اور اس کی معصیت سے دور رہیں۔ میں تم سب کو " رضا من آل محمدؑ "
(خاندان رسولؐ سے منتخب شدہ شخص) کی جانب دعوت دیتا ہوں۔ تاکہ ہم ـــــ
تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور سنت پیغمبرؐ کے مطابق عمل کریں، لوگوں کے
ساتھ عدل و انصاف سے کام لیں اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھیں ـــ تم سب
ہمارے ساتھ قیام کرو اور ہمارے دشمنوں سے جہاد کرو۔ ہم سب تمہارے ساتھ
وعدہ وفائی کریں گے اور تم سب بھی وعدہ وفا رہنا۔ اگر ہم وعدہ وفائی نہ کریں تو
پھر ہماری جانب سے تم پر کوئی بیعت نہیں رہ جائیگی(۱)"۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں ہم بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ ان
قیاموں اور ظلم و جور کے خلاف بلند ہونے والی آوازوں میں کتنا کردار ائمہ
اطہارؑ کا تھا ـــ یہ ان ہی بزرگوں کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ امت کی ایک ایک فرد
اپنی طبعی موت پر شہادت کو ترجیح دیتی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ذوات
مقدسہ کو حق تھا کہ اس امت کی قیادت و رہبری فرمائیں ـــ حضرت رسول اکرم
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ جملہ ان حقائق کو بخوبی واضح کر رہا ہے"

" نحن اہل بیت لا یقاس بنا احد "

اس حقیقت کو عباسی خلفاء بھی بخوبی سمجھتے تھے۔ جس طرح سے منصور دوانیقی
نے جناب محمد نفس زکیہ کے قیام کو امام صادق علیہ السلام سے منسوب کیا تھا اسی
طرح ہادی خلیفہ نے بھی قیام فخ کو امام کاظم علیہ السلام سے منسوب کر دیا تھا۔

۱۔ مقاتل الطالبین / ص ۔ ۴۵۰

اموی خلیفہ ہشام نے بھی جناب زید کے انقلاب کو امام محمد باقر علیہ السلام سے نسبت دی تھی۔ درانحالیکہ ان تینوں اماموں نے ان قیام کرنے والوں کو قیام کرنے سے روکا تھا کیوں کہ امام معصوم کو نتائج کا بخوبی علم تھا۔ لیکن خلفاء کو ان حقائق کا علم نہیں تھا۔ وہ تو اہل بیت اطہارؑ کے سانس لینے سے بھی خوفزدہ رہتے تھے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کے دہن اطہر سے نکلا ہوا ایک جملہ قصر شہنشاہیت کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی صلاحیت رکھتا ہے ___ موخین گواہ ہیں کہ حنفی مذہب کے رئیس ابو حنیفہ نے جناب زید کی نصرت فرمائی تھی اور مال زکوۃ کو اس قیام پر صرف کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا یہی نہیں بلکہ ابو حنیفہ کے دوست قاضی ابو یوسف نے امام کاظم علیہ السلام کی حمایت کی تھی اور جب خلیفہ نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس نے خلیفہ کو اس کام سے منع کیا تھا۔ جب کہ آنحضرتؑ اور قاضی ابو یوسف میں فقہی اعتبار سے شدید اختلاف تھا۔

ہمارے لئے اس قیام کی تاریخی حیثیت کو ان جملوں میں سمجھ لینا کافی ہے کہ " جب جناب حسین بن علی شہید فخ کا سر مبارک عباسی خلیفہ ہادی بن مہدی کے سامنے رکھا گیا تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

بنی عمنا لا تنطقوا الشعر بعدما

دفنتم لصحراء الغميم القوا فيا

فلسنا كمن كنتم تصيبون سلمه

فيقبل قيلا اويحكـــم قاضيـــا

و لکن حد السیف فیکـــم مسلط

فنرضی ادا ما اصبح السیف راضیا

فان قلتـــــم انا ظلمنا فلـــــم نکن

ظلمنـــا و لکنـــا اسانا التقاضیـــا

فد سائنی ما جرت الحرب بیننـــا

بنی عمنـــا لو کان امرا مدانیـــا

پھراس نے خاندان ابو طالب کو برا بھلا کہااور جب امام موسیٰ بن جعفرؑ کا ذکر کیاتو قسم کھائی کہ آپ کو ضرور قتل کرے گا۔ مگر اس موقع پر قاضی ابو یوسف نے بات کاٹ کر اس سے گفتگو شروع کردی جس سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا

علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ موسیٰ ہادی خلیفہ نے اسیروں میں سے ایک کو بلایا۔ اس پر الزامات عائد کئے اور پھراسے قتل کردیا.

اسی طرح سے اس نے فرزندان امیر المومنین علیہ السلام میں سے ایک ایک کو شہید کردیا. بنی ہاشم کو بھی اسی طرح شہید کیا. یہاں تک کہ امام کاظم علیہ السلام کو شہید کرنے کا خیال پیدا ہوا. اس نے کہا: خدا کی قسم! حسینؑ نے صرف آپ کے حکم اور آپ کی محبت کی پیروی کرتے ہوئے قیام کیا تھا اس لئے کہ اہل بیتؑ میں سب سے بزرگ آپ ہی ہیں. اگر میں نے آپ کو قتل نہیں کیا تو خدا مجھے قتل کردیگا.

لیکن اس موقع پر قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم نے آگے بڑھکر جرات

سے کہا اے امیر المومنین ؑ ! میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں یا خاموش رہوں؟ پھر کہنے لگا ، اگر تم نے انہیں معاف کردیا تو خدا مجھے بھی قتل کردے گا مگر میں نے تمہارے والد مہدی سے وہ بات سنی ہے جو منصور سے اسکے والد نے بتائی تھی کہ اس شخص کے والد جناب جعفرؑ ہیں وہ علم کہ میدان میں سب سے زیادہ با فضیلت تھے[۱]۔

اور اگر سفاح سے ان کی فضیلت اور تعریف نہ سن رکھی ہوتی تو میں ان کی قبر کھول کر ان کو آگ سے جلا دیتا۔ "اسی طرح سے قاضی ابو یوسف تعریف آمیز جملے کہتا رہا یہاں تک کہ خلیفہ ہادی کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا[۲]۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ ظالم خلیفہ جب تک زندہ رہا کبھی ایک شب سکون سے نہ سو سکا کیوں کہ اسے ہمیشہ امام کاظم علیہ السلام سے خوف و خطر محسوس ہوتا رہتا تھا۔ اس خوف و ہراس کے باعث اس نے فیصلہ کر لیا کہ امام علیہ السلام کو قید خانے میں رکھے گا جب آنحضرتؑ کو اس کا علم ہوا تو نہ تو آپ نے غم زدگی کا اظہار کیا اور نہ ہی اس کی جانب توجہ دی۔ چونکہ آپ جانتے تھے کہ عنقریب اس ظالم حاکم کی سلطنت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اس واقعہ کو امام کاظم علیہ السلام کے ایک خاص صحابی علی بن یقطین نے نقل کیا ہے۔

"جب یہ خبر امام کاظم علیہ السلام تک پہنچی تو آپ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ

۱۔ مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب / ص۔ ۳۱۰ / ج۔ ۴۔

۲۔ بحار الانوار / ص۔ ۱۵۱ / ج ۴۷۔

تشریف فرما تھے ۔ خلیفہ ہادی کے اس ارادے کو سنکر آپ نے ان سب سے خطاب کر کے کہا " تم سب کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے ؟ سب نے کہا ہماری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے دور چلے جائیں اور خود کو پوشیدہ کر لیں کیوں کہ اس کے شر سے کوئے محفوظ نہیں ہے ۔ یہ سنکر آپؑ مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

زعمت مسخينة ان ستغلب ربها

وليغلبـــــــن مغلـــب الغـــلاب

(قریش یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خدا پر غالب آجائیں گے لیکن ہمیشہ غالب رہنے والے خدا سے یہ لوگ مغلوب ہوجائیں گے) پھر آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے دعاء فرمائی:

اللهم كم من عدو شحذ لى ظبة مدية و ارهف لى شاحده، ود لى قوائل سمومه و لم تنم عنى عين حراسته فلما رايت ضعفى عن احتمال الفوادح و عجزى عن ملمّات الجوائح صرفت عنى ذالک بحولک و قوتک فالقيته فى الحفير الذى احتفره لى خائبا مما امله فى دنياه متباعدا مما رجاه فى آخرته فلک الحمد على ذلک قدر استحقاقک. سيدى ، اللهم فخذه بعزتک وافلل حده عنى بقدرتک واجعل له شغلا فيما يليه و عجزا عمايناويه اللهم و اعدنى عليه عدوى حاضرة تكون من غيظى شفاء و من حقى عليه و فاء و صل

اللهم دعائی بالاجالة و انظم شکایتی بالتغییر و عرفه عما قلیل ما وعدت الظالمین و عرفنی ما وعدت فی اجابة المضطرین انک ذو الفضل العظیم والمن الکریم

علی بن یقطین کہتے ہیں کہ وہاں سے اٹھکر سب چلے گئے پھر دوبارہ اس موقع پر جمع ہوئے جب امامؑ کے پاس ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ خلیفہ ہادی کی موت واقع ہو گئی [۱]۔

اس طرح سے اس ظالم حاکم اور امام علیہ السلام کے درمیان کشیدگی ختم ہوئی۔ مگر اس کے بعد آنے والے خلیفہ ہارون رشید سے بھی اسی انداز میں حالات کشیدہ رہے۔

۱۔ عیون الاخبار الرضا۔ شیخ صدوق، ص۔ ۷۵

امام کاظمؑ اور ہارون رشید

الف: سیاسیت ہارون کا مختصر جائزہ:

ہارون رشید کی حکومت کا زمانہ بھی امام کاظم علیہ السلام کے لئے بقیہ آل ابو طالب کی طرح سختی، ظلم، قید و بند اور جلا وطنی کا زمانہ تھا. تاریخ کے واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنے دوستوں اور فقہاء کو بھی اپنے ظلم و جور کا نشانہ بنایا تھا. جس طرح سے برمکی قوم جو کہ بنی عباس کی بیحد مخلص تھی. اس کے بھی ایک ایک فرد کو اس دور حکومت میں قتل کیا گیا۔ اس سخت دور میں بنی عباس کی حکومت کو استحکام عطا کرنے کے لئے لوگوں کا قتل عام کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں لوگوں کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس قائم ہوگیا تھا جو تاریخ میں کم نظیر ہے. اس چیز سے امام علیہ السلام کی مشکلات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے.

مثال کے طور پر ہارون رشید کے مخلص ترین درباری فضل بن یحیی بن خالد برمکی کو ہارون رشید کے حکم پر صرف اس وجہ سے ننگا کرکے مارا پیٹا گیا اور اہانت کرنے کے لئے بھری محفل میں اس پر لعنت کی گئی کہ اس نے امام کاظم علیہ السلام

پر زندان میں ڈھائے جانے تشدد و آلام کو کم کردیا تھا۔ دوسرا شخص فضل بن ربیع تھا جو ہارون رشید کا معتبر ترین مشیر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا وزیر بھی تھا. اپنے اس واقعہ کو نقل کرتا ہے، جس سے اس دور کی دہشت وہراس کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے، میں ایک شب اپنی ایک کنیز کے ساتھ سورہا تھا کہ اچانک نصف شب میں میں نے محسوس کیا کہ میرے محل کا دروازہ کھل رہا ہے. میں نے کنیز سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے ہوا ہو۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور مسرور کبیر داخل ہوا۔ اس نے مجھے سے بغیر سلام کئے ہوئے کہا کہ امیر بلا رہے ہیں. میں سخت متعجب ہوا کہ یہ مسرور بغیر اجازت گھر میں گھس آیا اور سلام بھی نہیں کیا. لگتا ہے میرے قتل کی خبر ہے. میں حالت نجاست میں تھا مگر مجھ میں جرائت نہ ہوئی کہ اس سے کچھ مہلت طلب کروں تاکہ طاہر ہوجاؤں. میرے خوف کو دیکھ کر کنیز نے کہا: خدا پر بھروسہ کیجئے اور جائیے۔ میں اٹھا۔ لباس پہنا اور اس کے ہمراہ امیر کے پاس آیا. میں نے خلیفہ کو سلام کیا وہ بستر پر تھا۔ اس نے جواب سلام دیا. میں خاموش کھڑا رہا پھر اس نے پوچھا: کیا تم ڈر گئے تھے؟ میں نے کہا: درست ہے یا امیر المومنین۔ پھر اس نے کچھ لمحات کیلئے مجھے تنہا چھوڑ دیا تاکہ میں کچھ سکون حاصل کرسکوں"[1] اس سے اس زمانے کی حالات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب فضل بن ربیع جیسے مقربین کا یہ حال تھا تو دوسروں کا تذکرہ ہی بیکار ہے.

---

(۱)۔ بحار الانوار/ج۔ ۴۸/ص۔ ۲۱۳

خصوصاً وہ افراد جو دربار سے واسطہ نہ رکھتے ہوں یا قیام کرنا چاہ رہے ہوں ان کے دلوں کا حال تو ناقابل بیان ہے یہ خوف و دہشت کا بازار کل ہی کی طرح آج بھی بعض مقامات پر دیکھنے کو مل جاتا ہے. اس واقعے میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح خلیفہ کا ایلچی بغیر اجازت خلوت گاہ میں آتا ہے اور ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر مطلوبہ شخص کو دربار میں کھینچ لاتا ہے ،اور جب تک خلیفہ چند لحات کیلئے تنہا نہ چھوڑ دے انسان کو سکون حاصل نہیں ہوتا. یہ وہ دہشت گردی ہے جو تاریخ انسانیت میں بے مثال ہے۔ ایک اور نمونہ ہمیں یحیی بن خالد برمکی کے ایک اور واقعے میں ملتا ہے ; جب یحیی بن خالد امام کاظم علیہ السلام کو گرفتار کرنے کیلئے بغداد آیا تو یہ خبر لوگوں تک پہنچی. نتیجہ میں خوف و ہراس چاروں طرف چھا گیا اور طرح طرح کی خبریں پھیلنے لگیں. لوگوں کو جوش میں لانے والی بھی بعض خبریں نشر ہونے لگیں. تاریخ نے اس کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے; پھر یحیی بن خالد قاصد کے ہمراہ بغداد آیا تو لوگ مضطرب ہو گئے اور طرح طرح کی خبریں چاروں طرف نشر ہونے لگیں[1].

اس آخر کے جملے سے اس زمانے کی عوام کی دہشت کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے . ایسے لمحات میں امت کی رہبری و ہدایت کتنا سخت کام ہے اس کو قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں. اس کے علاوہ امام علیہ السلام کا قید خانے میں رہ کر ظالم حاکم کے خلاف لوگوں تک پیغام پہنچانا در حقیقت ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا

۱۔ بحار الانوار ، ج۔ ۴۸ ، ص۔ ۲۳۳.

ہے۔ لیکن چاہے سفاح و منصور و ہادی و مہدی کا زمانہ ہو یا ہارون رشید کا، ہر زمانے میں خاندان نبوت و رسالت کے جانشینوں نے اسلام کی حمایت کی ہے۔ اگر چہ اس کے لئے انہیں سخت سے سخت قیدخانوں میں رہنا پڑا ہو یا زندگی ہی میں دیواروں کے اندر گھٹ گھٹ کر جان دینا پڑی ہو۔ یا پھر ایک شہر سے دوسرے شہر میں دربدری کی زندگی گزارنا پڑی ہو اب ہم اس واقعے کو نقل کرتے ہیں جس سے شیعیان و محبان اہل بیتؑ کے مصائب کو محسوس کیا جا سکتا۔ اگر چہ یہ واقعہ امام کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد واقع ہوا ہے لیکن تاریخ کے صفحات نے اس کو محفوظ رکھا ہے۔

یہ واقعہ حمید بن قحطبہ جو ہاورن رشید کی جانب سے امیر شہر تھا، کے ساتھ پیش آیا ہے نقل ہوا ہے کہ ہارون رشید جس زمانے میں طوس میں تھا اس نے حمید سے اس کی وفاداری کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ہر اس کام کو انجام دے گا جس کا امیر حکم دے گا جب ہارون رشید کو اس کی جانب سے یقین ہو گیا تو اس نے خادم کو حکم دیا کہ تلوار لئے ائے اور حمید سے کہا کہ فلاں کنویں کے پاس ایک بند گھر ہے وہاں جائے۔ اس میں تین بند کمرے ہیں" جب خادم نے ایک دروازہ کھولا تو اسمیں ۲۰ بنی ہاشم جو اولاد علی و فاطمہ علیہما السلام میں سے تھے۔ موجود تھے۔ جن میں جوان اور بوڑھے دونوں تھے اور سب کے سب زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے غلام نے اس سے سب کو قتل کر کے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اس نے ویسا ہی کیا۔ پھر دوسرا کمرا کھولا۔ اسمیں بھی اسی تعداد میں

اولاد علیؑ تھی۔ اس نے ان سب کو بھی قتل کر دیا یہ سلسلہ آخری کمرے تک جاری رہا ..... اس واقعے کو حمید بن قحطبہ نے ایک عرصے بعد فاش کیا۔ جب کہ وہ ان جرائم پر پشیمان ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ اس کا دوست عبید اللہ بزار نیشابوری ماہ رمضان میں اس سے ملنے آیا۔ اس نے دیکھا کہ حمید دوپہر کا کھانا کھا رہا ہے۔ اس نے اپنے دوست کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ لیکن عبید اللہ نے کہا کہ وہ روزے سے ہے۔ اور کہا، شاید امیر کو کوئی عذر درپیش ہے کہ روزہ نہیں رکھا حمید نے جواب دیا، میرے روزہ نہ رکھنے کا نہ تو کوئی عذر ہے اور نہ ہی کوئی سبب" یہ کہتے کہتے وہ رونے لگا۔ اور اسی حالت گریہ میں اس نے اس کنویں والا پورا واقعہ سنا ڈالا۔ اور کہنے لگا، میں مغفرت کی کیا امید کروں اور کون سا روزہ مجھے نفع پہنچا سکتا ہے۔

جب کہ میں نے یہ عظیم جرم انجام دیا ہے اور اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے ۶۰ افراد کو شہید کیا ہے۔ میں کس منہ سے خدا اور رسولؐ سے ملاقات کروں گا۔

اسی طرح کے متعدد واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ جس طرح سے محمد بن ابو عمیر ازدی کا واقعہ گذر چکا ہے، اس کے ہی جیسا ایک واقعہ شیخ مفید نے اپنی کتاب الاختصاص میں یوں نقل کیا ہے۔

امام کاظمؑ کے تین صحابیوں علی بن ہاشم بن برید، عبداللہ بن علقمہ اور مخول بن ابراہیم نھدی کو ہارون رشید نے اپنے مخصوص قید خانے "مطبق"[1]

۱۔ مضمون روایت کو عیون اخبار الرضا ج۔۱ / ص۔۸۸ نقل کیا گیا ہے۔

میں قید کیا اور وہ تینوں اس زندان میں ۱۲ سال تک رہے [۱]۔

ب : امامؑ ہارون کے زندان میں

اس پر آشوب دور میں امام کاظم علیہ السلام کو ہارون رشید نے اپنے زندان میں رکھا تھا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ ہارون رشد کو اپنے بعد آنحضرت سے خوف تھا کہ کہیں زمام حکومت آپ کے ہاتھ میں نہ چلی جائے۔ اس سلسلے میں بعض مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے۔

امام کاظم علیہ السلام کے بغداد تشریف لانے کا سبب یہ تھا کہ ہارون رشید اپنے بعد محمد بن زبیدہ (امین) کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا اس نے اپنے ۱۴ لڑکوں میں سے تین کا انتخاب کیا تھا۔ اول محمد امین اس کے بعد عبداللہ مامون کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور اس کے انتقال پر قاسم مؤتمن کو معین کیا تھا۔ وہ اس چیز کو تمام شہروں میں ایک ایک فرد تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے حج کیا اور تمام بزرگان شہر اور قاضیوں کو بھی اس سال حج کا حکم دیا۔ علی بن محمد نوفلی ناقل ہیں کہ، میرے والد نے بتایا کہ یحیی بن خالد کو موسی بن جعفر علیہما السلام سے سخت دشمنی تھی سبب یہ تھا کہ ہارون رشید نے اپنے بعد آنے والے پہلے خلیفہ محمد بن زبیدہ کو جعفر بن محمد بن اشعث کے پاس رکھا تھا۔ یحیی جانتا تھا کہ جعفر شیعہ ہے اور امام کاظم علیہ السلام کو مانتا ہے۔ اگر ہارون رشید مرگیا تو سب کچھ محمد بن زبیدۃ

۱۔ شیخ صدوق عیون اخبار۔ ص / ۱۸۷۔

کے ہاتھوں میں جائیگا اور وہ جعفر کو وزیر بنالیگا پھر میری اور میری اولاد کی وزارت ختم ہو جائیگی اس لئے وہ ہمیشہ موقعے کی تلاش میں رہنے لگا کہ جعفر کا مذہب ہارون کو بتا سکے۔ لیکن ہارون جعفر کی قدر کرتا تھا اور یحیی کے پاس کوئی واضح دلیل اس کے شیعہ ہونے کی نہیں تھی۔

یہاں تک کہ ایک دن اس سلسلے میں اسمیں اور ہارون میں بحث بھی ہوئی اور اس نے جعفر اور اس کے باپ کی اہانت کی جس کی وجہ سے ہارون نے بیس ہزار دینار جعفر کو دینے کا حکم دیا۔ یحیی نے موقع غنیمت سمجھا اور ایک دن ہارون سے کہا اے امیر ابھی تک آپ میرے قول کو جھٹلاتے تھے مگر آج میں جعفر کے شیعہ ہونے کی دلیل لایا ہوں۔ ہارون نے دلیل پوچھی تو کہا جعفر جب تک کسی مال کو استعمال نہیں کرتا جب تک اس کا خمس نکال کر امام کاظم کو نہ دیدے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جعفر نے آپ کے عطاکردہ بیس ہزار دیناریں سے بھی خمس نکالا ہوگا۔ ہارون نے کہا: میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ اس نے رات میں جعفر کو بلا بھیجا۔

جعفر۔ یحیی کی دشمنی کو بخوبی جانتے تھے وہ سمجھے کہ لگتا ہے کہ آج میرے قتل کی باری ہے لہذا غسل کر کے مشک اور کافور لگایا اور برد یمانی کو لباس کے اوپر پہن کر ہارون کے پاس آئے۔ ہارون نے سبب پوچھا تو بتا دیا کہ میں سمجھا میرے قتل کی باری ہے۔ ہارون نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے مال میں سے خمس نکال کر امام کاظمؑ کو بھیجتے ہو۔ اور تم نے ۲۰ ہزار دینار کا بھی

خمس نکالا ہے، جعفر نے کہا: اے امیر! آپ کسی غلام کو حکم دیکر ان دیناروں کو مہر بند حالت میں منگوا سکتے ہیں. ہارون رشید نے اپنے غلام سے کہا، کہ جعفر کی انگوٹھی لیکر جائے اور اس مال کو لیکر آجائے۔ جعفر نے اس کنیز کا نام اسے بتایا جس کے پاس وہ مال رکھا تھا.

جب یہ مال ہارون کے سامنے لاکر رکھا گیا تو اس نے کہا: تمہارے سلسلے میں بولے جانے والے جھوٹ کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ تم اب واپس جا سکتے ہو اب تمہارے سلسلے میں کسی بات کو قبول نہیں کروں گا. نوفلی آگے کہتا ہے: مجھ سے علی بن حسن بن علی بن عمر بن علی نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے جو اس حج سے قبل والے حج میں ہارون کے ساتھ تھا۔ اس بزرگ نے کہا کہ: مجھ سے علی بن اسمعیل بن امام جعفر علیہ السلام نے کہا: تم کیوں کبیدہ خاطر نظر آرہے ہو: تم امیر کی وزارت کے بارے میں کوشش کیوں نہیں کرتے. امیر نے مجھ سے وزیر بننے کو کہا تھا مگر میں نے ایک دوسرے شخص کو وزیر بنوا دیا اور اس سے اپنے کام کروا لیتا ہوں."

اس کا سبب یہ تھا کہ یحیی بن خالد نے یحیی بن ابو مریم سے کہا تھا کہ: کیا تم آل ابو طالب میں سے کسی شخص کا نام بتا سکتے ہو جو دنیا کا طلبگار ہو اور میں اسے دنیا کا کچھ حصہ دے سکوں؟ یحیی بن ابو مریم نے کہا: ہاں میں ایک شخص کا نام بتاؤں جو بالکل ایسا ہی ہے. وہ علی بن اسماعیل بن جعفر ہے۔ پھر یحیی بن خالد نے اس کے پاس پیغام بھیجا: تم مجھے اپنے چچا (امام کاظم علیہ السلام) اور ان کے

شیعوں کی تفصیل بتاؤ اور اس مال کی مقدار بھی بتاؤ جو ان کے پاس ہے۔

علی بن اسمٰعیل نے اسکی بات کو قبول کر کے سب کچھ امامؑ کے بارے میں اسے بتادیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ان کے مال کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی نشریہ نامی ایک زمین کی قیمت تیس ہزار دینار ہے جب وہ بک رہی تھی تو بیچنے والا ایک مخصوص قیمت پر راضی ہوا۔ جب خرید و فروش ہوگئی تو میں اس کے پاس گیا اور اس کا گلا کھول کر دیکھا تو آسمیں تیس ۳۰ ہزار دینار رکھے ہوئے تھے جو کہ اس زمین کی قیمت قرار پائے تھے"۔۔۔۔ نوفلی آگے کہتا ہے: میرے والد نے بتایا کہ علی بن اسمعیل امام کاظم علیہ السلام کی جانب سے شیعوں سے خمس وغیرہ کا مال لیتا تھا اور امامؑ کا مورد اعتماد تھا۔ بلکہ بعض اوقات امام کی طرف سے شیعوں کو خط بھی لکھتا تھا مگر بعد میں وہ امام کی نگاہ میں مشکوک ہو گیا۔ جب ہارون رشید نے عراق جانے کا قصد کیا تو علی بن اسمعیل بھی ساتھ جانے لگے۔ امام کاظم علیہ السلام نے ایک شخص کو بھیج کر اس سے دریافت کروایا کہ، تم سلطان کے ہمراہ عراق کیوں جارہے ہو؟ جواب دیا:

میں کچھ قرض دار ہوں۔ آپ نے کہا: تمہارے قرضے میں ادا کردوں گا" اس نے پھر کہا اور میرے بال بچوں کا خرچہ! امام نے کہا: "ان کی میں کفالت کروں گا" امام نے اس کو سفر کرنے سے روک دیا۔ پھر اپنے بھائی محمد بن جعفر کے ذریعہ سے تین سو دینار اور چار ہزار درہم اسکو بھجوائے۔ اور ارشاد فرمایا: میرے بیٹے اسے اپنے پاس محفوظ رکھو اور (بھیجو) ماتم نہ کرو"[1]۔ ***

مورخین نے ایک اور روایت اس طرح نقل کی ہے: امام کاظمؑ کے بھتیجے محمد بن اسماعیل بن امام صادق علیہ السلام ہر جگہ امام ہفتم کی جانب سے ان کے شیعوں کو خطوط لکھتے تھے۔ لیکن جب ہارون رشید حجاز آیا تو محمد بن اسمعیل نے اپنے چچا کی اس سے چغل خوری کی اور اس سے جاکر کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس زمین پر دو خلیفہ ہیں جن کو خراج دینا پڑتی ہے ہارون نے تفصیل پوچھی تو اس نے کہا: وہ دوسرے خلیفہ موسیٰ بن جعفر ہیں۔ اس نے امام علیہ السلام کے دوسرے اسرار کو بھی اس سے بتادیا ہارون کو ساری باتیں معلوم ہوگئیں بعد میں محمد کا ہارون کے نزدیکوں میں شمار ہونے لگا۔ امام کاظم علیہ السلام نے اس کام کے باعث اسے بد دعا دی جسے خدا نے اس کے اور اس کی اولاد کے حق میں قبول فرمایا[۱]۔

امام کاظم علیہ السلام کے بھائی علی بن جعفر سے منقول ہے کہ: میرے پاس محمد بن اسمعیل آئے اور کہا کہ کر محمد بن جعفر (امام کاظم علیہ السلام کے دوسرے بھائی) نے ہارون رشید کی خلافت کو قبول کرلیا ہے اور اس کے ہمراہ ہوگیا ہے۔ پھر کہنے لگے: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ زمین پر دو خلیفہ کیسے ہوگئے کہ میں یہ دیکھوں کہ موسیٰ بن جعفر کے بھائی دوسرے خلیفہ کی خلافت کو قبول کرلیں۔ اور ان افراد میں سے ہو جائیں، جنہوں نے موسیٰ بن جعفرؑ کی شکایت یعقوب بن داؤد سے کی ہے۔ درانحالیکہ وہ زیدیہ فرقے کا ماننے والا ہے"

۱۔ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر۔ باقر شریف قرشی، ص۔ ۳۲۹۔ ۔۔۔۔ ۔بحار الانوار، ج۔ ۴۸، ص۔ ۲۰۷۔

ابراہیم بن ابو بلاد نے نقل کیا ہے (سند روایت معتبر ہے)

" مجھ سے یعقوب بن داؤد نے بتایا کہ وہ شیعہ ہوگیا ہے. میں اس کے پاس مدینے میں اس شب میں گیا جس کی صبح میں امام کاظم علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا. یعقوب بن داود نے کہا کہ میں کچھ دیر قبل وزیر یحیی بن خالد کے پاس تھا. اس نے کہا کہ اس نے ہارون رشید کو رسول اسلامؐ کی قبر مطہر سے مخاطب ہوکر کہتے ہوئے سنا کہ: اے رسول خداؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں ــ میں اس کام کی معافی چاہتاہوں جس کو انجام دینے جارہاہوں. میں چاہتا ہوں کہ موسی بن جعفرؑ کو گرفتار کر کے قید میں رکھوں کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ ان کے باعث آپ کی امت میں جنگ واقع ہوگی اور بے پناہ خون بہے گا. (العیاذ باللّٰه) میں سمجھ گیا کہ کل آنحضرتؑ کو گرفتار کرلیا جائیگا. دوسرے دن رسول اسلامؐ کے مصلی پر نماز پڑھنے والے فضل بن ربیع کو خلیفہ نے بھیجااور حکم دیاکہ آنحضرتؑ کو گرفتار کرکے زندان میں قید کرلو[۱]".

ان واقعات سے ہمیں اس زمانے کے سیاسی حالات کا اچھی طرح علم ہو سکتا ہے. ہمیں یہ بھی علم حاصل ہوتاہے کہ جو خدا کا نمائندہ ہوتاہے اس کا قلب سکون واطمینان سے پر ہوتاہے مگر برخلاف اس کے غصبی اقتدار انسان کو ایک لمحے کےلئے بھی سکون سے نہیں رہنے دیتا.

امام معصوم قید خانے میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتاہے مگر پوری بااقتدارو

۱ـ بحار الانوار / ج۔ ۴۸ / ص۔ ۲۱۳.

طاقتور حکومت اس سے خوفزدہ رہتی ہے۔ روایت میں ہے کہ: "اس سال ہارون نے حج کیا۔ اس نے زیارت رسول اللہؐ سے سفر شروع کیا۔ وہاں اس نے کہا: اے رسول خدا! میں ایک ایسے کام کے لئے عذر طلب کر رہا ہوں جس کو انجام دینے کا ارادہ ہے۔ میں موسیٰ بن جعفرؑ کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ وہ آپ کی امت میں اختلاف اور خونریزی کا باعث بننے والے ہیں (العیاذ باللہ) پھر اس نے آنحضرتؑ کو گرفتار کرا لیا۔ امام علیہ السلام کے گھر سے دو خچر نکلے جن پر پوری طرح سے ڈھکی ہوئی عماریاں تھیں۔ ایک خچر پر امام علیہ السلام تھے۔ جن کے ہمراہ متعدد گھوڑے سوار چل رہے تھے۔ ایک خچر بصرہ کی جانب چلا اور دوسرا کوفہ کی طرف تاکہ لوگوں پر یہ بات پوری طرح آشکار نہ ہو سکے۔ امامؑ بصرہ کی جانب جانے والے خچر پر سوار تھے۔

ایلچی کو حکم ملا تھا کہ امامؑ کو بصرہ لے جاکر عیسیٰ بن جعفر بن منصور کے حوالے کر دے۔ امام علیہ السلام وہاں ایک سال تک قید رہے۔

پھر عیسیٰ بن جعفر نے ہارون کو لکھا کہ آنحضرت کو اس سے لے لے اور جسے چاہے اس کے حوالے کر کے قید رکھے ورنہ میں آنحضرتؑ کو آزاد کر دوں گا۔ میں چاہ رہا تھا کہ ان کو تمہارے سلسلے میں قائل کروں مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی دعاؤں میں یا تمہارے حق میں یا میرے حق میں بد دعا کرتے ہونگے۔ لیکن وہ فقط خدا سے اپنے حق میں رحمت و مغفرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

یہ سنکر ہارون نے امامؑ کو فضل بن ربیع کے حوالے کر کے بغداد بھیج دیا جہاں

آنحضرتؑ ایک طویل مدت تک قید رہے۔

پھر ایک موقع پر جب ہارون نے اس سے کسی حکم کی اطاعت کا مطالبہ کیا اور اس نے انکار کر دیا تو اس سے لیکر امام علیہ السلام کو فضل بن یحیی کے حوالے کر دیا۔ پھر اسے بھی وہی حکم دیا مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ اسکو خبر ملی کہ امام اس کے پاس بڑے سکون اور اطمینان سے ہیں۔ اس نے تحقیق کے لئے اپنے غلام مسرور کو وہاں بھیجا کہ اچانک امام تک جائے اور ان کی کیفیت کو دیکھے اگر وہ اسی حال میں ہوں جیسا سننے میں آیا ہے تو مخصوص خط عباس بن محمد کو لے جاکر دے اور دوسرا خط سندی بن شاہک کو دے، جس میں اس نے اسے عباس بن محمد کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا۔ خادم فضل بن یحیی کے گھر پہنچا اور اچانک امام تک گیا تو امام کو بڑے سکون اور اطمینان کی حالت میں دیکھا۔ وہ فوراً عباس بن محمد اور سندی بن شاہک کے پاس آیا اور دونوں کو خطوط دیئے۔ خط پاکر فوراً ایلچی کو فضل بن یحیی کے پاس بھیجا گیا اور اس کو طلب کیا گیا۔ وہ دہشت زدہ جب وہاں آیا تو عباس نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ سندی نے اس کو ننگا کر کے سو کوڑے مارے۔ پھر جب وہ وہاں سے باہر نکلا تو اسکا چہرا اڑا ہوا تھا۔ اس کا رعب ختم ہو گیا تھا وہ دائیں بائیں کھڑے ہر شخص کو جھک جھک کر سلام کر رہا تھا ـــــ اس خبر کو مسرور نے ہارون کو لکھ بھیجا، پھر ہارون نے امام کو سندی بن شاہک کے حوالے کر دیا۔

ج: امامؑ کی قید خانے کی زندگی:

امام علیہ السلام کی نگاہ میں (جیسا کہ حدیث رسولؐ میں آیا ہے) زمین اس لئے خلق کی گئی تھی کہ اس پر عبادت اور سجدہ کیا جائے اور دنیا اس واسطے وجود میں آئی تھی کہ وہ عبادت کی محراب، تسبیح و تقدیس کا مکان اور قرب الٰہی و معرفت خداوندی کی جگہ قرار پائے۔ لہٰذا امام پر کسی قسم کی کوئی بھی تبدیلی اثر انداز نہ ہو سکی۔ بلکہ سختیاں اور مشکلات آنحضرتؑ کے قرب الٰہی میں اضافے کا باعث بنتی تھیں۔ اسی وجہ سے زندان امام کیلئے مسجد، تنہائی و شدت اعتکاف اور روز و شب نماز و روزہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہم نے گذشتہ صفحات میں امامؑ کے وہ جملے لکھے تھے کہ "خداوندا میں نے تجھ سے فرصت کا مطالبہ کیا تھا اور تو نے یہ نعمت عطا فرمادی لہٰذا تیرا شکر گزار ہوں"۔ اسکے علاوہ عیسیٰ بن جعفر کا وہ خط جو اس نے ہارون کو لکھا تھا، بخوبی امام علیہ السلام کے زندان کے حالات کو بیان کرتا ہے۔

احمد بن عبداللہ نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ: میں فضل بن ربیع کے پاس گیا وہ مسند پر بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اس کمرے میں جاؤ اور بتاؤ کہ کیا دیکھا؟ میں نے کہا: ایک لباس ہے جو زمین پر رکھا ہوا ہے" اس نے کہا: ذرا غور سے دیکھو، میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا پھر میں نے کہا: ایک شخص سجدے کی حالت میں ہے، اس نے مجھ سے پوچھا: کیا اسے پہچانتے ہو؟ وہ موسیٰ بن جعفرؑ ہیں۔ تم شب و روز کسی بھی وقت آکر دیکھو یہ اسی حالت میں رہتے ہیں۔ نماز صبح کے بعد سورج نکلنے تک تعقیبات میں مشغول رہتے ہیں پھر سجدے میں سر رکھ

دیتے ہیں اور تب سر بلند کرتے ہیں جب سورج ڈوب جاتا ہے. ان کے نگہبان کو وقت نماز کی تحقیق کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے اطلاع دی کہ یہ بغیر تجدید وضو کے ایک ہی وضو سے تمام نمازیں پڑھتے ہیں وہ نماز عشا کے بعد افطار کرتے ہیں پھر تجدید وضو کرتے ہیں اور پھر جو سجدے میں سر رکھتے ہیں تو نصف شب میں نماز شب کے لئے سر اٹھاتے ہیں اور پھر نماز شب طلوع فجر تک پڑھتے رہتے ہیں [۱].

ایک دوسری روایت میں اس جملے کا اضافہ ہے: "آپ کی یہ عادت میرے پاس آنے سے لیکر آج تک باقی ہے" [۲].

"بحار الانوار" میں ہے کہ: ... پھر ہارون نے آپ کو فضل بن یحیی کے حوالے کیا. اس نے آنحضرت کو اپنے ایک کمرے میں، مقید کر لیا. اور ان پر نگہبان معین کر دیا. آپ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے تھے آپ کی پوری رات نماز اور قرائت قرآن میں گذرتی تھی اور دن کا اکثر حصہ روزے میں بسر ہوتا تھا. آپ عبادت سے ایک لحے کیلئے بھی منحرف نہیں ہوتے تھے. یہ سب دیکھکر فضل بن یحیی کے دل میں وسعت پیدا ہوگئی اور وہ آپ کا احترام کرنے لگا [۳].

اس طرح سے امامؑ اپنے زندان بان اور جلادوں کا دل جیت لیا کرتے تھے. آپ کے دل کا نور زندان کے گھٹا ٹوپ؟ اندھیرے میں آفتاب کا کام کرتا تھا.

۱۔ بحار الانوار ، ج۔ ۴۸ ، ص۔ ۲۰۷۔

۱۔ بحار الانوار ، ج۔ ۴۸ ، ص۔ ۲۱۱۔

۳۔ طبری گزشتہ حوالہ ص۔ ۳۱۱ /

عامری نے اپنی کتاب "الانوار" میں لکھا ہے کہ ہارون رشید نے امام کاظم علیہ السلام کی خدمت کے لئے ایک خوبصورت کنیز کو زندان بھیجا۔ لیکن آپ نے کہا: "تمہارا ہدیہ تمہیں ہی مبارک ہو مجھے نہ تو اسکی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے جیسی کسی اور کی حاجت" یہ سنکر ہارون غصے میں آگیا اور غلام سے کہا کہ اس کنیز کو وہیں لے جاؤ اور کہدینا کہ آپ کی رضایت کافی نہیں ہے اور نہ ہی آپ کی رضایت پر ہم عمل کریں گے۔ کنیز کو وہیں چھوڑ آؤ اور واپس چلے آؤ۔ غلام نے یہی کیا پھر ایک دن ہارون اس خادم کے ہمراہ، اس کنیز کی حالات دریافت کرنے زندان آیا تو دیکھا کہ وہ سجدے میں سر رکھے ہے۔ اور سر بلند ہی نہیں کر رہی ہے۔ بس یہی کہے جارہی ہے: "قدوس، سبحانک سبحانک" یہ سن کر ہارون نے کہا۔ خدا کی قسم موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اپنے سحر سے اسکو مسحور کردیا ہے"۔[۱،۲]

شاید ہارون یہ چاہ رہا ہو کہ اس کنیز کے ذریعے امام کا امتحان لے یا پھر امام کو بدنام کر سکے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا طرۂ امتیاز یہ رہا ہے کہ دشمن کے دلوں کو بھی جیت لیا کرتا ہے اور اس کی راہ حق کی جانب ہدایت کرتا ہے۔ وہ کنیز جو حریر و دیبا کے ہمراہ زندگی گزارتی رہی ہو، عیش و عشرت جس کی زندگی میں شامل ہو۔ امام کے ہمراہ چند دن رہ کر اتنی

۱۔ بحار الانوار جلد ۴۸ / ص۔ ۲۳۹۔
۲۔ یہ واقعہ سندی بن شاہک کے مشہور زندان دار السیب کا ہے۔

بدل گئی ہے کہ اب بارگاہ رب العرش میں سر نیاز زخم کرکے " سبوح قدوس " کی آوازیں بلند کررہی ہے۔ روایت میں ہے کہ تا دم مرگ اس کی یہی حالت رہی اور شاید اسکی موت امام کاظم علیہ السلام کی شہادت سے قبل واقع ہوئی تھی۔

شاید ہارون کا امام علیہ السلام کو ایک زندان سے دوسرے زندان میں منتقل کرتے رہنے کا ایک سبب یہ رہاہو کہ وہ اس کے ذریعے آنحضرتؑ کو رعب و دبدبے میں لے سکے۔ مگر خاندان وحی کے پروردہ امام کو یہ چند روزہ اقتدار کیا مرعوب کر سکتاہے جب کہ آپ کی حکومت کائنات کے ذرے ذرے پر قائم ہے۔ خود امام علیہ السلام نے ان افراد کو روک دیا جو ہارون رشید کے پاس آپ کی آزادی کے سلسلے میں گفتگو کے لئے جانا چاہتے تھے۔ اور ارشاد فرمایا: کہ میرے والد نے اپنے اجداد سے نقل کیا ہے کہ: خداوند کریم نے داود سے خطاب کرکے کہا: اے داود اگر میرے بندوں میں سے کسی نے میرے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کی جب کہ میں اسکے لئے آشنا تھا تو میں اس سے آسمان کے تمام اسباب منقطع کرلوں گا اور اس کے نیچے زمین کو اس پر سخت کردوں گا "[1] اس کے ذریعے سے امام علیہ السلام نے خدا پر بھروسے اور اسکی ذات پر توکل کا بہترین درس دیا ہے۔

جب ہارون کو یہ محسوس ہوا کہ امام قید خانے میں رہ کر بھی لوگوں کے نفوس

۱۔ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر، ج۔۲، ص۔۴۹۵۔

پر قبضہ کر سکتے ہیں تو اسکو آپ سے خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں آپ انقلاب نہ برپا کردیں۔ اس بات کی جانب اس نے اپنے وزیر یحیی بن خالد سے اشارہ بھی کیا تھا، اس موقف کو علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں نقل کیا ہے. کہ جب امام کاظم علیہ السلام کو ہارون نے قید کر رکھا تھا اور آپ سے زندان میں معجزات اور کرامات ظاہر ہوئے تو ہارون کو سخت تعجب ہوا. اس نے یحیی بن خالد برمکی کو بلایا اور اس سے کہا: اے ابو علی! تم دیکھ رہے ہو کہ ان عجائب کے مقابلے میں ہماری کیا حیثیت ہے. کیا تمہاری نگاہ میں کوئی راہ حل ہے جس سے ہمارا ہم و غم دور ہوسکے۔ یحیی بن خالد نے جواب دیا. جو بات آپ کو پریشان کر رہی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ نیک سلوک اختیار کریں اور صلہ رحم کریں. خدا کی قسم شیعوں کے دل ہمارے لئے مصیبت بن گئے ہیں" اس زمانے میں یحیی بن خالد امام کاظمؑ کو ماننے لگا تھا[1].

اس بات کو ہارون نہیں جانتا تھا۔ ہارون نے کہا: ان کے پاس جاؤ اور ان کی زنجیر کھول دو اور ان سے میرا سلام کہو اور کہنا: آپ کے چچازاد بھائی نے کہا ہے کہ آپ کے سلسلے میں اس پر یحیی سبقت لے گیا. کہو کہ وہ جب تک آپ کو آزاد نہ کرتا جب تک آپ کے سلسلے میں یقین نہ ہوجاتا کہ گزند نہیں پہنچائیں گے.

۱۔ تاریخ میں مشہور ہے کہ یحیی نے امام کے سلسلے میں جھوٹ سے کام لیا تھا کیوں وہی سندی کے ذریعہ امام کو زہر دلا کر شہید کرنے کا باعث بنا تھا اور امام کاظم علیہ السلام کے بیٹے امام رضا علی علیہ السلام نے اسکو اپنے والد کا قاتل قرار دیا ہے اور اس کے حق میں بدعا فرمائی ہے. لہذا یہ کہنا کہ وہ امام کو مانتا تھا غلط ہے.

اور آپ سے اس نے اپنے گزشتہ رویے کی معافی طلب کی ہے. اور آپ پر آپ کے اقرار کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہے اور نہ ہی اپ کے مسئلے میں کوئی دقت ہے "(۱).

جب یحیی امام کاظم علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ہارون کا پیغام پہنچایا تو امام علیہ السلام نے ہارون رشید کو معاف کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا.. کل (قیامت میں) اس وقت تم کو معلوم ہوجائیگا جب میں تمہیں خدا کے سامنے اس حیثیت سے بلند کروں گا کہ تم نے اپنے امام کے ساتھ ظلم اور حسادت کی تھی. والسلام" (۲).

اس طرح امام کاظم علیہ السلام نے امت پر اس کے امام کو قید کر کے کئے جانے والے ظلم کو ناقابل تلافی قرار دیکر بتادیا کہ یہ وہ ستم ہے جسکا عذاب خدا دے سکتا ہے. ان جملوں نے ظلم ہارون کا پردہ فاش کر دیا اور اس کی مکر آمیز چالوں کی نقاب اٹھا دی. نتیجے میں وہ اس فکر میں رہنے لگا کہ کس طرح دھوکے سے امام علیہ السلام کو قتل کیا جائے، اور امت مسلمہ اصل قاتل کو نہ پہچان سکے.

۱۔ بحار الانوار / ج۔ ۴۸ / ص۔ ۲۳۰.

۲۔ بحار الانوار / ج۔ ۴۸ / ص۔ ۲۳۰

د۔ شہادت امام

ہارون نے امام کاظم علیہ السلام کو شہید کرنے کی متعدد دفعہ کوشش کی مگر امام کی شخصیت وہیبت ہمیشہ اس کے قدم روکتی رہی. امام کے وجود نے اس کی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی. وہ اس چیز سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا کہ مسلمانوں کے درمیان آپ بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں. اسی وجہ سے عیسیٰ بن جعفر، والی بصرہ نے امام کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ہارون کو استعفیٰ دیدیا تھا۔ اور امام کو اس کے زندان سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی گذارش کی تھی. اسی طرح فضل بن ربیع نے بھی اس وحشتناک کام سے انکار کر دیا تھا. اور جب فضل بن یحییٰ کے پاس امام کو رکھا تو نہ صرف وہ امام کے قتل پر راضی نہیں ہوا بلکہ امام کے لئے زندان کی مشکلات کو بھی کم کر دیا. جس کی بنا پر اسے برہنہ کرکے تازیانے مارے گئے. لیکن آخر کار اس کے مخفی فوجیوں کا سردار سندی بن شاہک اس غیر انسانی فعل کے لئے راضی ہوگیا چوں کہ وہ جلادوں اور قاتلوں کے گروہ میں مانی جانی شخصیت کا حامل تھا.

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ ہارون نے آخر میں امام علیہ السلام کو سندی کے زندان میں رکھا. اس نے امام کو سخت شکنجے میں رکھا اور آپ پر ہر طرح کی مشکلات کو رواء رکھا. اور چوں کہ ہارون کا فضل بن یحییٰ کے سلسلے میں موقف اسے معلوم تھا لہذا ہارون کو خوش کرنے کے لئے اسے امام کے خون سے بڑھکر کوئی ہدیہ دکھائی نہ دیا جو وہ امیر کے پاس بھیج سکے. جب یحییٰ بن خالد ہارون رشید سے مشورہ

کرے بغداد پلٹا تو امام کے قتل کا عزم لیکر پلٹا تھا[1]۔

ہارون اسکے اس ارادے سے بہت خوش تھا۔ اس نے بغداد آکر پورا نقشہ سندی کو سمجھایا۔ اس کے بعد امام کے سامنے پیش کی جانی والی کھجور میں زہر ملایا گیا کہا گیا ہے کہ دوسرے کھانے کو بھی زہر آلود کیا گیا تھا۔ امامؑ نے اس طعام کو نوش فرمایا۔ آپ نے محسوس کیا کہ زہر آپکے بدن میں سرایت کر رہا ہے۔ تین دن تک امامؑ اس زہر کے اثر سے تڑپتے رہے اور پھر تیسرے دن سندی بن شاہک ہی کے زندان میں آپکی شہادت واقع ہوگئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپکی شہادت ہارون کی مسجد مسیب میں واقع ہوئی۔ اس دن ۲۵ رجب ۱۸۳ھ پنجشنبہ تھا۔

اس طرح آفتاب امامت غروب ہوگیا، شمع ہدایت خاموش ہوگئی۔ ستارۂ علم و عمل منہدم ہوگیا۔ بغداد کی فضاء اس حادثے کے باعث سیاہ ہوگئی۔ ظالمیں کی لاکھ کوششوں کے باوجود امام علیہ السلام کا قتل کیا جانا چھپ نہ سکا اور ظالم کے رنگین ہاتھ اسکی زندگی کے لئے وبال بن گئے۔ ہر طرف صدا تھی۔ امام کو مظلومانہ انداز میں ظالمین کے زندان میں شہید کر دیا گیا۔ پورے شہر کی ناکہ بندی کردی گئی۔ اور پیراہن یوسف کو خون آلود کرکے بھیڑیے پر الزام لگانے والے برادران کی سنت بنی عباس نے اسطرح اختیار کی کہ بعض زرخرید زبانوں سے گواہی دلوائی گئی کہ امام کا طبعی انتقال ہوا ہے اور آپ زندان میں بڑے احترام سے رکھے گئے تھے۔ فقہاء و قاضیوں کو حکم دیا گیا کہ امام کا چہرہ کھول کر دیکھیں اور

۱۔ ہارون اس وقت شام کے راستے رقہ نامی مقام پر تھا۔

مذکورہ گواہی دیں لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ حق کی آواز دبانے سے نہیں دبتی بلکہ ایک ایک ذرہ گواہ بن گیا کہ امام مظلوم شہید ہوئے ہیں ــــ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد دشمنوں کو سکون نہیں ملا بلکہ آپ کے جسد اطہر کو تین دن تک قید خانے میں رکھا پھر لاکر بغداد کے پل پر رکھوادیا اور آواز دی: یہ موسیٰ بن جعفرؑ کی میت ہے لوگو آکر دیکھو. جنازہ بغداد کے پل پر رکھا رہا اور سندی بن شاہک طرح طرح کے الزمات عائد کرتا رہا یہاں تک کہ سلیمان بن ابو جعفر منصور (ہارون کا چچا) وہاں آیا اور اس نے حالت دیکھکر سندی کو برا بھلا کہا. کچھ عرصے بعد لوگوں کا ہجوم آیا اور امام علیہ السلام کا جنازہ وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوا. آنحضرتؑ کو غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور پھر آپ کی تشیع ہوئی. بغداد کے تمام شرفاء و فضلاء جن کے آگے آگے سلیمان بن ابو جعفر تھا، اس تشیع میں شریک ہوئے. بغداد کی تاریخ میں ایسا دن کبھی نہیں دیکھا گیا تھا. اور اس دن کی طرح کبھی گریہ و زاری نہیں کی گئی تھی امام کی میت قریش کے قبرستان میں آئی. اور وہاں آپ کو سپرد خاک کیا گیا ۔ آپ پر سلام ہو جب آپ پیدا ہوئے اور جب زندان کے اندھیرے میں شہید ہوئے اور جب گواہی کے لئے دوبارہ بلائے جائیں گے.

جانشین امام حضرت علی رضاؑ

خداوند کریم کی مشیت یہ رہی ہے کہ ایک امام کی شہادت کے وقت دوسرا امام اس روئے زمین پر موجود ہوتا ہے چونکہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی۔ پہلا امام بعد کے امام کو پہچنوا کر اس دنیا سے جاتا ہے۔ اسی لئے امام کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے بعد امام قرار دیا تھا اور اپنے اصحاب سے حضرت کی شخصیت کا تعارف بھی کروا دیا تھا۔ چنانچہ داؤد رقی کی یہ روایت سلسلہ سند کے ساتھ کتابوں میں ہے کہ میں نے ابو ابراہیم حضرت کاظم علیہ السلام سے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں، میری عمر زیادہ ہوگئی ہے لہذا اپنے بعد آنے والے امام کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ میرے بعد تم سب کا آقا ہوگا" اور آپ نے ابو الحسن علی رضا علیہ السلام کی جانب اشارہ فرمایا[1]۔

۱۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام / ج ۱ / ص ۱۹۔

اسی طرح عبداللہ بن مرحوم سے یہ روایت بھی سلسلہ سند کے ساتھ منقول ہے۔ میں مدینے جانے کے لئے بصرہ سے نکلا۔ راستے میں میری ملاقات امام کاظم علیہ السلام سے ہوئی آپ بصرہ تشریف لے جارہے تھے۔

امام نے خود مجھے راستے میں بلایا جب میں آنحضرتؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے ایک خط مجھے دیکر کہا کہ اسے مدینے پہنچادوں۔ میں نے پوچھا، میری جان آپ پر قربان ہو؛ یہ خط میں مدینے میں کسکو لے جاکر دوں گا ارشاد فرمایا: یہ خط میرے بیٹے علی کو دیدینا چونکہ وہ میرا وصی، میرے امور کو انجام دینے والا اور سب سے نیک فرزند ہے"[1]۔

اس کے علاوہ حسینؑ بن مختار سے سلسلہ سند کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ: میرے پاس امام کاظم علیہ السلام کی ایک تحریر زندان سے آئی جس پر لکھا تھا، میرا عہدہ (میرے بعد) میرے بڑے بیٹے (امام رضا علیہ السلام) کے ذمے ہے"[2]۔

یہ وہ روایات ہیں جو امام رضا علیہ السلام کی امامت کے سلسلے میں معتبر دلیلیں ہیں جو کہ اس امت کے ہادی و رہبر اور پرچم اسلام کی حفاظت کرنے والے خاندان عصمت و نبوت کے آٹھویں چشم و چراغ تھے۔

"ذریۃ بعضہا من بعض"

"وہ ذریت جس کے بعض برگزیدہ افراد بعض پر فوقیت رکھتے ہیں"

۱۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام / ج۔۱/ ص۔۲۵۔

۲۔ یہ معلومات "دائرۃ المعارف الاسلامیہ شیعہ" حسن امین۔ ج۔۲/ ص۔۲۵۷۔ سے ماخوذ ہیں۔

ہمیشہ باقی رہنے والا مینارۂ نور

امام کاظم علیہ السلام کا جسد اطہر قریش کے معزز افراد کے قبرستان میں دفن ہوگیا. جسے مقابر قریش یا مقابر بنی ہاشم کہا جاتا تھا. یہ قبرستان شمال بغداد میں واقع تھا. یہ وہ سرزمین تھی جسے منصور نے ویران کرکے بغداد کو آباد کیا تھا اس کا نام پہلے شونیزی صغیر تھا. پھر اس کی ویرانی کے بعد اسے مقابر قریش کے نام سے یاد کیا گیا پھر امام علیہ السلام کے بعد اسے "مشہد باب تبن" کے نام سے یاد کیا گیا کیونکہ یہ دجلہ کے مشرق میں واقع ہے.

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امام کاظم علیہ السلام کے دفن ہونے سے قبل یہ آباد علاقہ نہیں تھا. لیکن آنحضرتؑ کی تدفین کے بعد لوگ امام علیہ السلام کے جوار میں سکونت پذیر ہونے کے اشتیاق میں یہاں آکر بسنے لگے. بالخصوص بنی ہاشم اور شیعہ اس علاقے میں زیادہ آکر رہنے لگے. اس طرح سے یہ ویران علاقہ ایک شہر کی صورت اختیار کرتا چلا گیا[1] اور رفتہ رفتہ علماء و فقہاء و بزرگوں اور شیعوں کا مرکز بن گیا[2].

امام کاظم علیہ السلام کا مزار لوگوں کی پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا. اور آپ کے ذریعہ لوگوں کی دنیاو آخرت کی حاجتیں قبول ہوتی تھیں۔ جس طرح سے آپ کا وجود زندگی میں لوگوں کے لئے باعث رحمت تھا.

۱۔ یہ معلومات "دائرۃ المعارف الاسلامیہ شیعہ" حسن امین ۔ ج۔ ۱۳/ ص۔ ۲۵۷ سے ماخوذ ہیں
۱۔ اور اسی کے بعد یہ شہر کاظمین" کے نام سے مشہور ہوا جو امامؑ سے محبت کی وجہ سے کاظمین کہلایا.

اسی طرح آپ کی شہادت کے بعد بھی لوگوں کے لئے باعث رحمت و مغفرت بنا رہا. آپ کا مرقد شریف حسن و جمال اور فن عمارت گری کے اعتبار سے اپنی مثال آپ بن گیا. وہ جنازہ جو بنی عباس نے اپنے زعم میں بڑے اہانت آمیز انداز میں زنداں سے نکال کر بغداد کے پل پر لاکر رکھا تھا اور مختلف الفاظ سے اس کی توہین کرنا چاہی تھی. آج اس پر قائم ہونے والا حرم نہ صرف شیعی دنیا بلکہ پورے جہان اسلام کی عزت و آبرو کا پاسبان نظر آتا ہے. تاریخ نے اس حقیقت کو اپنے پاس محفوظ کر لیا کہ ظلم و جور، زندان و زنجیر اور شاہی دولت و حکومت صدائے حق کو دبانے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ یہ وہ عظیم امر ہے کہ جتنا دبایا جائے اتنا ہی ابھر کر کائنات کے گوشے گوشے میں پہنچتا ہے.

عالمی اہل بیت کانفرنس کے دوسرے عمومی اجلاس کی مناسبت سے

On the Occasion of the
2nd General Session
of the Ahl al Bayt (a.s) World Assembly.



Adress: P.O.BOX 37185/837 Qum
Islamic Republic of Iran

ISBN 964-472-111-x

N. – 76 – 212